اعر مشرق

ناصر زیدی

اقبال کی ولادت کا صد سالہ جشن جس رنگ سے منایا گیا اُس پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ میں اس کے 'خُوب' پر نظر ڈالتا ہوں تو وہ نظمیں ہیں جن میں شعراء نے اپنے تاثرات دربارۂ اقبال شعر ہی کی صُورت میں ظاہر کیے ہیں۔

میرا مطالعہ بتا رہا ہے کہ ہم شاعر لوگ کسی دوسرے شاعر کی مدح کرنے میں خاصے خسیس واقع ہوئے ہیں اور اگر کسی کی مدح و ثنا بربنائے مصلحت کریں بھی تو اپنی ذات کو کچھ اس طرح اُس میں شامل کرتے ہیں کہ جس کی مدح کی گئی ہے، ہمارا احسان اُس پر وارد رہے۔ میرے نزدیک صرف اقبال ہی ایک ایسا شاعر ہے جس کے فرمودات پر شعرا حضرات صدقِ دل سے جذباتِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ یہ کمالِ اقبال ہے۔

میری تمنا تھی کہ اقبال کے جو تاثرات شاعروں نے قبول کیے اور شعر ہی کے ذریعے اُن کا اظہار کیا وہ یکجا ہو جائیں۔ میری یہ تمنا بڑے خُوب صُورت انداز میں پوری ہو گئی ہے کہ ایک بہت ہی بالغ نظر نوجوان، خوش فکر شاعر سیّد ناصر زیدی نے انتہائی محنت، تلاش اور جستجو کے ساتھ کم و بیش ایسی تمام نظمیں "بیادِ شاعرِ مشرق" کے عنوان سے مرتب کر لی ہیں۔ یہ کام بلاشبہ انتہائی دشواری کا تھا۔ علامہ کی دُنیوی حیات کے دوران بھی بہت سے شعرأ نے اپنے تاثرات نظم کیے۔ وہ کہاں کہاں شائع ہُوئے؟ — اُن کو ڈھونڈنا پہاڑ کھود کر لعل و جواہر نکالنا ہے — ناصر زیدی نے یہ کام جس خلوص اور لگن سے کر دکھایا ہے، میں سمجھتا ہوں دُنیائے شعر و ادب پر ہی نہیں، مُلک و ملت اور ذہنِ انسانی پر بھی بہت بڑا احسان ہے۔

۱۹۰۲ء سے ۱۹۷۷ء تک کے دوران علامہ پر کہی گئی سینکڑوں شعراء کی نظموں پر مشتمل اس کتاب میں بہت سے شعرأ ایسے ہیں جن سے میں واقف نہیں، تاہم اُن سب کے کلام نے مجھے روشنی عطا کی ہے

؎ یہ عجب سیلِ طرب افزا ہے میرے سامنے
مدحتِ اقبال کا دریا ہے میرے سامنے

ابوالاثر حفیظ جالندھری

بیادِ شاعرِ مشرق

علامہ اقبال پر کہی گئی منتخب منظومات

(۱۹۰۴ء ——— ۱۹۷۷ء)

برادرم ایس ایس کاظمی کی خدمت میں

محمود رکن

جنوری ۱۹۷۹ء

مرتّبہ

غالب لائبریری

ناصر زیدی

پوسٹ بکس ۲۲۶۸

ناظم آباد کراچی ۱۸

مکتبہ عالیہ ○ لاہور

حقوقِ اشاعت محفوظ

بسلسلہ سالِ اقبال ۱۹۷۷ء

بیادِ شاعرِ مشرق

مرتب :- ناصر زیدی
ناشر :- محمد جمیل النبی
طابع :- ریاض برادرز پرنٹرز لاہور
سرِورق :- بشیر آرٹسٹ

۲۵/- روپے

یکے از مطبوعات

مکتبہ عالیہ ○ ایبک روڈ (انارکلی) لاہور

انتساب

مشاہیر اہلِ قلم کی نگارشات کو یکجا کرنے والے اُن "مصنّفین" کے برعکس جو کسی کی محنت کو "مطلب برآری" کے لئے اوروں سے منسوب کرتے ہیں۔ اس کتاب کے حقیقی مصنّفین اُن شعراء کے نام۔ جو اگر یہ نظمیں نہ لکھتے تو مَیں مرتب نہ بن سکتا۔

ناصر زیدی

ترتیب

بہ اعتبارِ حروفِ تہجی

۱	پیش گفتار	ناصر زیدی	۱۵
۲	نباضِ جہاں	آرزو اکبر آبادی	۱۹
۳	اقبال	آزر حفیظ	۲۱
۴	حکیمِ نکتہ داں	آفاق صدیقی	۲۳
۵	مردِ قلندر	آلِ احمد سُرور	۲۴
۶	اقبال	ابوالاثر حفیظ جالندھری	۲۶
۷	یادِ اقبال	اثر چکوالی	۲۷
۸	حضرتِ اقبال	احسان دانش	۲۸
۹	نذرِ اقبال	احسن مارہروی	۲۹
۱۰	پیمبرِ مشرق	احمد فراز	۳۰
۱۱	بخدمتِ اقبال	احمد ندیم قاسمی	۳۲
۱۲	نوحۂ اقبال	اختر بریلوی	۳۳
۱۳	اقبال سے	اختر ہوشیارپوری	۳۵
۱۴	اقبال	ادا جعفری	۳۶
۱۵	اقبال	ادیب سہارنپوری	۳۸
۱۶	آئینہ در آئینہ	ادیب سہیل	۳۹
۱۷	آہ اقبال	ادیب مالیگانوی	۴۰
۱۸	بحضورِ شاعرِ مشرق	ارشاد الحق قدوسی	۴۲
۱۹	اقبال	ارشد ملتانی	۴۴

۲۰	عصرِ اقبال	اسد ملتانی	۴۵
۲۱	اقبال	اسلم ملک پوری	۴۶
۲۲	اقبال	اشرف عطا	۴۷
۲۳	قطعات بیادِ اقبال	اصغر سلیم	۴۸
۲۴	تاریخ بانگِ درا	اصغر سودائی	۵۰
۲۵	اقبال	اصغر یگانہ	۵۱
۲۶	اقبال کے حضور	افتخار عارف	۵۲
۲۷	نذرِ اقبال	افتخار فخر	۵۳
۲۸	شاعرِ مشرق	اکبر حمیدی	۵۴
۲۹	شاعرِ مشرق کے حضور	اکبر کاظمی	۵۵
۳۰	اقبال کا مرثیہ	اکبر لاہوری	۵۶
۳۱	اقبال کے حضور	امین راحت چغتائی	۵۷
۳۲	مقامِ اقبال	انجم بسطامی	۵۸
۳۳	اقبال	انوار ظہوری	۶۰
۳۴	اقبال	ایس۔ ایم اختر	۶۱
۳۵	اقبال کے حضور	ایس۔ اے رحمٰن	۶۲
۳۶	اقبال	بدر الدین قیصری	۶۳
۳۷	اقبال	بزمی انصاری	۶۵
۳۸	اقبال	بسمل دہلوی	۶۶
۳۹	ہدیۂ عقیدت	بشر افغانی	۶۷
۴۰	نذرِ اقبال	بشیر زبیری اسیر	۶۸
۴۱	نذرِ اقبال	بشیر فاروقی	۶۹
۴۲	عکسِ آگہی	پروین فنا سید	۷۰
۴۳	میرِ کارواں	تابش دہلوی	۷۲

۴۴	اقبال اور چاند کا سفر	تابش صدیقی	۷۳
۴۵	اقبال (دوہے)	تاج سعید	۷۴
۴۶	اقبال	تاج محمد خیال	۷۵
۴۷	مصورِ آزادی	تبسم رضوانی	۷۶
۴۸	نغمہ گرِ حیات	تحسین سروری	۷۷
۴۹	اقبال	تصدق حسین خالد	۷۸
۵۰	زندۂ جاوید اقبال	تلوک چند محروم	۷۹
۵۱	آہ اقبال	ثاقب سلمانی	۸۰
۵۲	اقبال کی یاد میں	جابر علی سید	۸۱
۵۳	آزادیِ انساں کا پیمبر	جاذب قریشی	۸۲
۵۴	اقبال	جعفر شیرازی	۸۴
۵۵	اقبال	جعفر طاہر	۸۶
۵۶	اقبال	جگن ناتھ آزاد	۸۸
۵۷	اقبال	جمیل ملک	۸۹
۵۸	اقبال	چاند نرائن چاند	۹۰
۵۹	فکرِ اقبال	حافظ بشیر آزاد	۹۱
۶۰	اقبال	حافظ لدھیانوی	۹۲
۶۱	محمد اقبال	حامد علی خاں	۹۴
۶۲	نذرانۂ عقیدت	حبیب بدایونی	۹۵
۶۳	اقبال کا پیغام	حزیں لدھیانوی	۹۶
۶۵	علامہ اقبال کے حضور	حسرت کاظمی	۹۷
۶۶	فیضانِ اقبال	حسن اختر جلیل	۹۹

۶۷	شاعرِ مشرق	حسین سحر	۱۰۰
۶۸	شاعرِ مشرق	حفیظ تائب	۱۰۱
۶۹	علامہ اقبال کی خدمت میں	حفیظ سحابی	۱۰۲
۷۰	اقبال	حفیظ ہوشیارپوری	۱۰۳
۷۱	برہمن زادہ رمز آشنا کے حضور	خاطر غزنوی	۱۰۴
۷۲	اقبال	خالد بزمی	۱۰۵
۷۳	بحضورِ اقبال	خالد نظامی	۱۰۶
۷۴	اقبال	خاور درّانی	۱۰۷
۷۵	علامہ اقبال	خاور لدھیانوی	۱۰۸
۷۶	اقبال	خلیل بدایونی	۱۰۹
۷۷	شاعرِ مشرق	خمار انصاری	۱۱۰
۷۸	شاعرِ مشرق	خورشید ایلچپوری	۱۱۲
۷۹	اقبال	خورشید رضوی	۱۱۳
۸۰	خودی کے ترجماں کو سلام	خورشید ضیاؔ	۱۱۴
۸۱	اقبال	ذکی آزر	۱۱۵
۸۲	شاعرِ ملت کے نام	رابعہ نہاں	۱۱۷
۸۳	اقبال	راز کاشمیری	۱۱۸
۸۴	اقبال	راسخ عرفانی	۱۱۹
۸۵	پیغمبرِ اسرارِ خودی	راغب مرادآبادی	۱۲۰
۸۶	سخنورِ خوش نوا	رانا بھگوان داس بھگوان	۱۲۱
۸۷	اقبالِ ملتِ بیضا	رشک ترابی	۱۲۲
۸۸	ماتمِ اقبال	رضا علی وحشت	۱۲۴

۸۹	اقبال	رضا ہمدانی	۱۲۵
۹۰	اقبال	رعنا اکبرآبادی	۱۲۶
۹۱	اقبال	رفعت سلطان	۱۲۸
۹۲	اے شاعروں کے شاعر	رفیق خاور جسکانی	۱۳۰
۹۳	پیغامِ بے خودی	روحی علی اصغر	۱۳۲
۹۴	تیرے دور کا آغاز	روحی کنجاہی	۱۳۳
۹۵	پیامِ شاعرِ مشرق	رئیس احمر	۱۳۴
۹۶	اقبال	رئیس امروہوی	۱۳۶
۹۷	بیادِ اقبال	زاہد الحسن زاہد	۱۳۷
۹۸	اقبال امر ہے	ساغر دہلوی	۱۳۸
۹۹	نذرِ اقبال	ساقی الحینی	۱۳۹
۱۰۰	وہ ایک شاعر	سبطِ علی صبا	۱۴۱
۱۰۱	شاعرِ مشرق	سبطین شاہجہانی	۱۴۳
۱۰۲	نذرِ اقبال	سحاب قزلباش	۱۴۴
۱۰۳	اقبال	سحر اکبرآبادی	۱۴۵
۱۰۴	نوحۂ اقبال	سراج الدین ظفر	۱۴۶
۱۰۵	اقبال	سرفراز جوہر	۱۴۷
۱۰۶	زندہ تصویر	سرفراز قریشی	۱۴۸
۱۰۷	نذرِ اقبال	سرور اکبرآبادی	۱۴۹
۱۰۸	اقبال	سرور کمال	۱۵۰
۱۰۹	در مدحِ اقبال	سعید اختر دُرّانی	۱۵۱
۱۱۰	خواب کی تعبیر	سکندر حیا بریلوی	۱۵۲

۱۱۱	علامہ اقبال کی خدمت میں	سلمیٰ تصدق حسین	۱۵۳
۱۱۲	مردِ قلندر	سلیم بے تاب	۱۵۴
۱۱۳	بیادِ اقبال	سلیم فاروقی	۱۵۶
۱۱۴	اقبالِ قوم	سید صفدر حسین ڈاکٹر	۱۵۸
۱۱۵	اقبال کا پیغام	سید فیضی	۱۶۱
۱۱۶	بحضورِ علامہ	سیف زلفی	۱۶۲
۱۱۷	شاعرِ مشرق	شجاعت علی راہی	۱۶۳
۱۱۸	اقبال	شرف نوگانوی	۱۶۴
۱۱۹	اقبال	شرقی بن شائق	۱۶۵
۱۲۰	مقامِ اقبال	شریف حزیں جکوالی	۱۶۶
۱۲۱	نذرِ اقبال	شمیم بھیروی	۱۶۷
۱۲۲	درویشِ بے گلیم	شورش کاشمیری	۱۶۸
۱۲۳	قطعات بیادِ اقبال	شوق بدایونی	۱۶۹
۱۲۴	مردِ قلندر	شہرت بخاری	۱۷۰
۱۲۵	فیضِ دوام	شیدا گجراتی	۱۷۲
۱۲۶	نغمہ گر	شیر افضل جعفری	۱۷۳
۱۲۷	بانگِ درا	صابر آفاقی	۱۷۴
۱۲۸	بیادِ علامہ اقبال	صابر جالندھری	۱۷۵
۱۲۹	نذرِ اقبال	صادق نسیم	۱۷۶
۱۳۰	بیادِ اقبال	صفدر حسین صفدر	۱۷۷
۱۳۱	اقبال	صفیہ شمیم ملیح آبادی	۱۷۸
۱۳۲	اقبال	صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	۱۷۹

۱۳۳	اقبال	صہبا اختر	۱۸۰
۱۳۴	آہ شاعرِ مشرق	ضمیر جعفری	۱۸۱
۱۳۵	شاعرِ مشرق	ضیاالحسن ضیا	۱۸۴
۱۳۶	اقبال	طالب انصاری بدایونی	۱۸۵
۱۳۷	اقبال کے حضور	طاہر احمر	۱۸۶
۱۳۸	روحِ آدم کا مسیحا	طاہر تونسوی	۱۸۷
۱۳۹	مجسمۂ خودی	طاہر حنفی	۱۸۹
۱۴۰	نذرِ اقبال	طفیل ہوشیارپوری	۱۹۲
۱۴۱	شاعرِ مشرق	ظفر ابنِ متین	۱۹۴
۱۴۲	مجتہدِ عصرِ جدید	ظفر عالمگیر	۱۹۶
۱۴۳	آہ اقبال	ظفر علی خان	۱۹۸
۱۴۴	اقبال	ظہور ملک	۱۹۹
۱۴۵	ترجمانِ رسولؐ	ظہیر احمد ظہیر	۲۰۱
۱۴۶	اقبال	عابد علی عابد	۲۰۲
۱۴۷	علامہ اقبال	عارف سنبھلی	۲۰۳
۱۴۸	مصورِ پاکستان	عارف سیمابی سیالکوٹی	۲۰۴
۱۴۹	علامہ اقبال کیلئے ایک نظم	عارف عبدالمتین	۲۰۵
۱۵۰	اقبال	عاصی کرنالی	۲۰۷
۱۵۱	اقبال	عبدالحمید عدم	۲۰۹
۱۵۲	شاعرِ ملت سے	عبدالصبور طارق	۲۱۰
۱۵۳	اقبال	عبدالرشید تبسم	۲۱۲
۱۵۴	اقبال	عبدالعزیز خالد	۲۱۳

۱۵۵	قطعات بیادِ اقبال	عبدالعزیز فطرت	۲۱۵
۱۵۶	عقیدت کے پھول	عبدالغفور اظہر	۲۱۶
۱۵۷	اندھیری رات کا راہی	عبدالغنی شمس	۲۱۷
۱۵۸	اقبال	عبدالکریم ثمر	۲۲۰
۱۵۹	شاعرِ مشرق	عبرت صدیقی	۲۲۱
۱۶۰	دانائے راز	عرفانہ عزیز	۲۲۳
۱۶۱	اقبال پاکستان اور کشمیر	عطا حسین کلیم	۲۲۴
۱۶۲	شاعرِ مشرق کے حضور	عظیم قریشی	۲۲۶
۱۶۳	وداعِ اقبال	علی اختر حیدرآبادی	۲۲۷
۱۶۴	اقبال	علی سردار جعفری	۲۲۹
۱۶۵	زندہ جاوید	عنبر چغتائی	۲۳۰
۱۶۶	اقبال	غافل کرنالی	۲۳۲
۱۶۷	مردِ فقیر	غلام جیلانی اصغر	۲۳۳
۱۶۸	شاعرِ مشرق	فارغ بخاری	۲۳۵
۱۶۹	اقبال	فخرالدین بلے	۲۳۸
۱۷۰	دلیلِ رہِ سخن اقبال	فضا جالندھری	۲۳۹
۱۷۱	اقبال	فیض احمد فیض	۲۴۰
۱۷۲	اقبال	فیض احمد فیض	۲۴۱
۱۷۳	نوائے اقبال	قتیل شفائی	۲۴۲
۱۷۴	تربتِ اقبال	قمر یزدانی	۲۴۳
۱۷۵	مصورِ وطن	قیصر فاروقی	۲۴۴
۱۷۶	بیادِ تاجدارِ سخن	قیصر یزدانی بریلوی	۲۴۶
۱۷۷	اقبال سے	قیوم نظر	۲۴۷
۱۷۸	اقبال	کاشی پریاگی	۲۴۸

۱۷۹	اقبال	کامران رشید	۲۴۹
۱۸۰	علامہ کا نام	کبیر انور جعفری	۲۵۰
۱۸۱	اقبال	کرم حیدری	۲۵۱
۱۸۲	اقبال	کشور ناہید	۲۵۲
۱۸۳	اقبال	کلیم سیالکوٹی	۲۵۳
۱۸۴	ارتحالِ اقبال	کوکب شاہجہانپوری	۲۵۴
۱۸۵	ڈاکٹر محمد اقبال	کیفی چڑیاکوٹی	۲۵۵
۱۸۶	مزاج دانِ خودی	گوہر جعفری	۲۵۷
۱۸۷	اقبال	لطیف انور	۲۵۸
۱۸۸	نطقِ احساس	لیاقت صہبائی	۲۵۹
۱۸۹	اقبال	لیث قریشی	۲۶۱
۱۹۰	اقبال	ماہر القادری	۲۶۳
۱۹۱	طائرکِ بلند بال	مائل دہلوی	۲۶۴
۱۹۲	شاعرِ وطن	مجید امجد	۲۶۵
۱۹۳	تحسینِ خراج	مجید ملک	۲۶۷
۱۹۴	نذرِ اقبال	محسن احسان	۲۶۸
۱۹۵	بیادِ اقبال	محشر بدایونی	۲۶۹
۱۹۶	اقبال	محمد اکرم باجوہ	۲۷۱
۱۹۷	نذرِ اقبال	محمد نسیم قریشی	۲۷۲
۱۹۸	شاعرِ اعظم	محمد علی نیّر	۲۷۲
۱۹۹	طائرِ سدرہ	محی الدین خلوت	۲۷۴
۲۰۰	اقبال	مخدوم محی الدین	۲۷۵
۲۰۱	نذرِ اقبال	مشکور حسین یاد	۲۷۶
۲۰۲	علامہ اقبال	مظفر حسین شمیم	۲۷۷
۲۰۳	اقبال	مظفر وارثی	۲۷۸

۲۰۴	آہ اقبال	منظور احمد منظور	۲۷۹
۲۰۵	صاحبِ بانگِ درا	منظور اعجاز	۲۸۰
۲۰۶	نذرِ عقیدت	منظور حسین منظور	۲۸۱
۲۰۷	بیادِ اقبال	مونس صدیقی	۲۸۲
۲۰۸	دانائے راز	مہر اکبر آبادی	۲۸۳
۲۰۹	اقبال	ناز سیٹھی	۲۸۴
۲۱۰	شاعرِ مشرق	نازش رضوی	۲۸۵
۲۱۱	اقبال	ناصر زیدی	۲۸۶
۲۱۲	اقبال	ناصر زیدی	۲۸۷
۲۱۳	نذرِ اقبال	نخشب جارچوی	۲۸۸
۲۱۴	شاعرِ مشرق	نظر حیدر آبادی	۲۸۹
۲۱۵	اقبال	نظر زیدی	۲۹۰
۲۱۶	اقبال	نظیر لدھیانوی	۲۹۱
۲۱۷	اقبال کے حضور	نقش ہاشمی	۲۹۲
۲۱۸	اقبال	نیساں اکبر آبادی	۲۹۴
۲۱۹	مقامِ اقبال	وارث کامل	۲۹۵
۲۲۰	یادِ اقبال	واصف اکبر آبادی	۲۹۶
۲۲۱	اقبال	وزیر آغا	۲۹۷
۲۲۲	اقبال	وزیری پانی پتی	۲۹۸
۲۲۳	گلدستۂ عقیدت	وفا براہی	۲۹۹
۲۲۴	تاریخ وفات سر محمد اقبال	ہاشمی فرید آبادی	۳۰۰
۲۲۵	اقبال	ہدایت اللہ اختر	۳۰۱
۲۲۶	غمِ اقبال	یحییٰ اعظمی	۳۰۲
۲۲۷	خمستانِ اقبال سے جام لا	یزدانی جالندھری	۳۰۳
۲۲۸	اقبال کے حضور	یوسف ظفر	۳۰۴

پیش گفتار

مفکرِ پاکستان، شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کو فوت ہوئے اور لاہور میں بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے بائیں جانب دفن ہوئے۔ انہیں وفات پائے اب چالیس برس بیت چکے ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق اُن کی تاریخ ولادت ۹ نومبر ۱۸۷۷ء ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء کا پورا سال اُن کی ولادت کے جشن کے طور پر منایا گیا۔ اسی جشن کی ایک کڑی اس کتاب "بیادِ شاعرِ مشرق" کو سمجھ لیجئے!

علامہ اقبال نے اپنی فغانِ نیم شب اور نالہ ہائے سحر سے ایک زوال آمادہ قوم کے سینے کو گرمایا۔ ہندی لے میں حجازی نغمہ چھیڑ کر خوابِ گراں سے بیدار کیا اور قوم کے مایوس دلوں کو نئی اُمنگوں، تازہ ولولوں سے سرشار کر کے حیاتِ نَو پیدا کرنے کی سعی کی حتیٰ کہ قوم میں زندگی کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اُنہوں نے لگ بھگ چالیس برس، ایک عظیم مفکر، ادیب، فلسفی اور شاعر کی حیثیت سے برِ صغیر میں شعور اور بیداری کی لہر دوڑائے رکھی۔ ایک مخلص و دیانت دار رہنما کی حیثیت سے اُنہوں نے ہمارے حقیقی مقام و مرتبے کی نشاندہی کی اس کے لئے جدوجہد کی تلقین فرمائی۔ وہ ایک عظیم رہنما اور معلّم تھے اُنہوں نے ہماری ذہنی تربیت کی جس کی بدولت اُن کے انتقال کے نو سال بعد ہم نے ایک آزاد وطن، پاک وطن، پیارا پاکستان حاصل کر لیا۔ علامہ اقبال زندگی کو ایک ارتقائی عمل تصور کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک، ارتقا کا عمل صرف اسی صورت میں جاری

۲۰۴	آہ اقبال	منظور احمد منظور	۲۷۹
۲۰۵	صاحبِ بانگِ درا	منظور اعجاز	۲۸۰
۲۰۶	نذرِ عقیدت	منظور حسین منظور	۲۸۱
۲۰۷	بیادِ اقبال	مونس صدیقی	۲۸۲
۲۰۸	دانائے راز	مہر اکبرآبادی	۲۸۳
۲۰۹	اقبال	ناز سیٹھی	۲۸۴
۲۱۰	شاعرِ مشرق	نازش رضوی	۲۸۵
۲۱۱	اقبال	ناصر زیدی	۲۸۶
۲۱۲	اقبال	ناصر زیدی	۲۸۷
۲۱۳	نذرِ اقبال	نخشب جارچوی	۲۸۸
۲۱۴	شاعرِ مشرق	نظر حیدرآبادی	۲۸۹
۲۱۵	اقبال	نظیر زیدی	۲۹۰
۲۱۶	اقبال	نظیر لدھیانوی	۲۹۱
۲۱۷	اقبال کے حضور	نقش ہاشمی	۲۹۲
۲۱۸	اقبال	نیساں اکبرآبادی	۲۹۴
۲۱۹	مقامِ اقبال	وارث کامل	۲۹۵
۲۲۰	یادِ اقبال	واصف اکبرآبادی	۲۹۶
۲۲۱	اقبال	وزیر آغا	۲۹۷
۲۲۲	اقبال	وزیری پانی پتی	۲۹۸
۲۲۳	گلدستۂ عقیدت	وفا براہی	۲۹۹
۲۲۴	تاریخ وفات سر محمد اقبال	ہاشمی فریدآبادی	۳۰۰
۲۲۵	اقبال	ہدایت اللہ اختر	۳۰۱
۲۲۶	غمِ اقبال	یحییٰ اعظمی	۳۰۲
۲۲۷	خمستانِ اقبال سے جام لا	یزدانی جالندھری	۳۰۳
۲۲۸	اقبال کے حضور	یوسف ظفر	۳۰۴

رہ سکتا تھا جب انسان بلند سے بلند تر مقام حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھے اور اپنے آپ کو صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات اور دُنیا میں خدا کا نائب ہونے کا اہل ثابت کرنے کے لئے جد و جہد کرتا رہے ـــ یہی اقبال کا مردِ کامل ہے اور یہی اُس کا شاہین ـــ!

علامہ اقبال جو دُنیا کی عظیم تہذیبوں کے عروج و زوال کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے، جانتے تھے کہ قوموں پر اُس وقت زوال آتا ہے جب وہ تگ و دو کی زندگی ترک کر کے تہذیب و تمدن کی تن آسانی کا شکار ہو جاتی ہے ؎

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

اقبال کے نزدیک انسان کو معراج حاصل کرنے کے لئے زر و مال کی نہیں قوتِ ایمان اور اپنے نصب العین پر یقینِ کامل کی ضرورت ہے ؎

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فکر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

یہی پیغام اُنہوں نے ہمیں دیا ہے وہ تن آسانی کی زندگی ترک کر کے دعوتِ عمل دیتے ہیں اور یہ دعوتِ عمل جسمانی ہی نہیں ذہنی بھی ہے، وہ ہمیں نا اُمیدی اور قنوطیت سے دُور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اُن کے پیغام کا تعلق خودگری، خودنگری اور عزتِ نفس ہے۔ اقبال کی تعلیم زندگی، حرکت اور بے باکی کی تعلیم ہے۔ اُنہوں نے رُوحانی اور اخلاقی قدروں کے اندر رہتے ہوئے انقلاب انگیز عمل کا پیغام دیا ـــ اور رنگ و نسل کی تمیز سے بالاتر ہو کر اخوت و محبت، بھائی چارے اور مساوات و برابری کی تعلیم کو دوہرایا۔

اقبال دراصل ایک ایسا دانائے راز تھا جس نے ہماری انفرادی، اجتماعی، قومی اور سیاسی زندگی کی راہیں متعین کیں ـــ ایک آفاقی مفکر کی حیثیت سے عالمِ انسانیت کو صداقت شعاری اختیار کرنے اور انسانِ کامل بننے کی تلقین کی۔ اقبال کا مردِ مومن، بندۂ مولا صفات ہے

جو سب کے لئے باعثِ رحمت ہے وہ انسانی عظمت کے علمبردار ہیں اور معاشرے کے ایک ایک فرد کو سربلند و باوقار دیکھنے کے متمنی ہیں۔ ایسے بطلِ جلیل کو جس قدر خراجِ تحسین پیش کیا جائے کم ہے ـــــ!

گذشتہ بہتّر برس میں اُردو کے معروف و کم معروف شعرائے اپنی برادری کے ایک نمایاں ترین فرد کی شخصیت و شاعری اور فکر و فلسفہ کو جس جس طرح محسوس کیا، اپنے اپنے منفرد انداز میں اُسے شعروں کا پیکر عطا کر کے بارگاہِ اقبال میں پیش کر دیا۔ ان شعراء میں بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے علامہ اقبال کی زندگی میں اپنا ہدیۂ تحسین پیش کیا اور خود علامہ سے پسندیدگی کی سند لی، بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اقبال کے پرستاروں سے داد پائی اور بہت سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے داد و سند کی خواہش سے بے نیاز ہو کر خاموشی سے نذرانۂ عقیدت پیش کر دیا اور بس! ـــــ میں نے ان سب گلہائے عقیدت کو ڈال ڈال، پات پات سے چُن کر ایک گلدستے کی شکل دے دی ہے۔ اس گلدستے کی تر و تازگی، اس کی مہک، اس کی انفرادیت، اس کی خوشنمائی میں ہر گُل کا اپنا اپنا حصّہ ہے۔ ہاں خوبصورتی اور خوش سلیقگی سے پیش کرنے پر محبّ گرامی جمیل النبی (پبلشر) ضرور آپ کے اور میرے شکریے کے مستحق ہیں ـــــ!

ناصر زیدی

۲۲ر اپریل ۱۹۷۸ء

آرزو اکبرآبادی

نبّاضِ جہاں

ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں ہمارا اقبال

اُس کی ہر نظم کہ ہے ضامنِ تعمیرِ وطن
اُس کے افکار میں ہے جنّتِ محسوس نہاں
اُس کے اشعار کی تنویر میں گم ہے وہ سوز
جس کا احساس تھا ملّت کے لئے برقِ تپاں
اُس کی تقلید ہے ہم سب کے لیے شمعِ عمل
اُس کے انداز کا مدّاح ہے ہر پیر و جواں
اُس نے الفاظ میں بھر دی تھی تجلّی دل کی
اُس کے نغمات میں ہے روحِ عمل، سوزِ اذاں
ڈگمگاتی ہوئی کشتی کا کنارا اقبال

(۲)

اُس کو نبّاضِ جہاں کہیے مسیحا کہیے
وہ قلندر تھا مگر شاہوں سے ممتاز بھی تھا
گردشِ شام و سحر پر تھیں نگاہیں اُس کی
وقت کے ساتھ بھی تھا وقت کی آواز بھی تھا
درسِ افغانیؒ و حالیؒ کا سُنایا اُس نے
تھا تہہِ دام پہ آمادۂ پرواز بھی تھا
ایسا جلوہ تھا کہ ہر قلب ہے جس سے زرتاب
جس کی تفسیر نہیں ایسا وہ اک راز بھی تھا
بحرِ مستقبلِ رنگیں کا کنارا اقبال

(۳)

مغربی ساز شکستہ ہوا اُس کے دم سے
اُس نے کھولا تھا فرنگی کی سیاست کا بھرم
اُس کی آواز نے اُفرنگ کے بُت توڑے تھے
گونج سے اُس کی دہلتے تھے کلیساؤں کے حرم
وسطِ اسپین میں پہنچا وہ کچھ اس شان کے ساتھ
جیسے فاراں کی حدوں سے ہو کوئی بات رقم
اُس نے نطشے کو بتایا تھا خدائی کا وہ راز
جس کا ادنیٰ سا تصوّر بھی ہے بھاری بھرکم
چرخِ مِلّت کا درخشندہ ستارا اقبالؔ

(۴)

کانٹ کی نقدِ گراں بار کٹی اُس کے سبب
برگساں پہنے ہوئے اس سے ہے طوق و زنجیر
اُس نے ہیگل کو بڑی شان سے للکارا تھا
اُس کی آواز میں پنہاں تھا جلالِ تکبیر
قلبِ 'ڈے کارٹ' پہ ہے نقشِ حقیقت اُس کی
'اسپنوزا' کے لئے وہ کہ تھا چلتی شمشیر
'ہابس' اور 'لاک' تھے یوں لرزہ براندامِ عمل
جیسے توحید کے حلقے میں ہوں اہلِ تکفیر
قادر[۱] و قائد[۲] و ارنلڈ[۳] کا پیارا اقبالؔ
ہم بڑے فخر سے کہتے ہیں ہمارا اقبالؔ

●●●

۱۔ سر عبدالقادر مرحوم ۲۔ قائدِ اعظمؒ ۳۔ پروفیسر آرنلڈ

آزر حفیظ

اقبال

وہ اقبالؒ رہے گا زندہ جس نے عشق میں نام کیا
جس نے پیار کے نغمے گائے اور وفا کو عام کیا
جس نے خودی کا درس دیا تھا جس نے فقر کی باتیں کیں
جس نے قوم کے درد سے اپنے دل کو بے آرام کیا
جس کو عقلِ کم مایہ کی راہبری منظور نہ تھی
جس نے جنوں کو تاجوری دی اور خرد کو غلام کیا
وہ دانا، وہ بینا جس کی حکمت پر سو راز کھلے
وہ پرواز کہ جس نے تھک کر اک پل بھی نہ قیام کیا
جس نے عزم و عقل کی راہیں لوگوں کو دکھلائی تھیں
جس نے شعر و سخن سے اپنے زندہ اک پیغام کیا
گوئٹے اور نطشے سے آگے جس کی فکر کی منزل تھی
جس نے روحِ محبت بن کر اہلِ دل سے کلام کیا
جس نے جذبِ سوزِ دروں سے محفل محفل روشن کی
عشق کے دھیان میں ڈوب کے جس نے صبح کو اپنی شام کیا
ایسے کم انسان ہیں پیدا یوں تو ہیں انسان بہت
مردِ قلندر کی ہوتی ہے دونوں جہاں میں شان بہت
وہ اقبالؒ رہے گا زندہ جس نے عشق میں نام کیا
جس نے پیار کے نغمے گائے اور وفا کو عام کیا

آغا صادق

اقبال کی آواز

منزل کی طرف راہنما ہے تری آواز
لاریب کہ اک بانگِ درا ہے تری آواز

گونجی ہے اذانوں کی طرح ارض و سما میں
مانندِ سحر خواب رُبا ہے تری آواز

اک پردۂ اسرارِ حقیقت ہے ترا ساز
اک نغمۂ خاصانِ خدا ہے تری آواز

انسان کی تقدیس کا آئینہ ترا دل
انسان کی تقدیر نما ہے تری آواز

ملّت کا دھڑکتا ہوا دل ہیں ترے نغمے
ایمان کے چہرے ضیا ہے تری آواز

اسلام کی بھولی ہوئی تاریخ تری لے
توحید کی گم گشتا فضا ہے تری آواز

قندیلِ محبّت کی شعاعیں ترے اشعار
ایوانِ اُخوّت کی بِنا ہے تری آواز

اُلجھے ہوئے حالات کو حل جس نے کیا ہے
اس دَور میں وہ عقدہ کُشا ہے تری آواز

پہنچے ہیں تری بات کی تہہ تک ابھی کم لوگ
دُنیا ابھی سمجھی نہیں کیا ہے تری آواز

آفاق صدیقی

حکیمِ نکتہ داں

السّلام اے شاعرِ مشرق حکیمِ نکتہ داں
راحتِ قلب و نظر ہے تیرا اندازِ بیاں

علم و عرفاں کی دل آویزی کا اک نقشِ جمیل
وہ تری "بانگِ درا"، ہو یا ہو "بالِ جبرائیل"

مظہرِ جہدِ مسلسل، پیکرِ عزمِ صمیم
تیرے الفاظ و معانی، خالقِ "ضربِ کلیم"

ہے ترا "جاوید نامہ"، مخزنِ کیف و سرور
رشکِ صد شعر العجم ہے تیرے نغموں کی "زبور"

دل ہوا تیرا جو "اسرارِ خودی" سے ہمکنار
کر دیئے تُو نے "رموزِ بے خودی" بھی آشکار

دیکھ کر فرمودۂ رازی کے ہر انداز کو
چُن لیا اپنے لیے رُومی کے سوز و ساز کو

تیرے لہجے کا فسوں بیدار ذہنوں کا نصیب
تیرا اسلوبِ سخن روحِ تخیّل کا نقیب
شاہکارِ فکر و فن ہے تیرا پاکیزہ کلام
لوحِ گیتی پر سدا روشن رہے گا تیرا نام

آل احمد سرور

مردِ قلندر

وہ جس کے ساز سے بیداریاں بکھریں فضاؤں میں
وہ جس کے دم سے طوفاں جاگ اٹھے ٹھنڈی ہواؤں میں

وہ جس نے خاکیوں میں عرشیوں کی عظمتیں بھر دیں
وہ جس نے خلوتوں میں محفلیں آراستہ کر دیں

ہر اک ساحل کو ہم آغوشِ طوفاں کر دیا جس نے
بیابانوں کو رشکِ صد گلستاں کر دیا جس نے

فرازِ لامکاں تک رفعتِ پرواز تھی جس کی
نوائے قدس سے ملتی ہوئی آواز تھی جس کی

جو محفل میں دکھانے کو بلوریں جام لیتا تھا
مگر ہر شعر سے شمشیر کا سا کام لیتا تھا

تمناؤں کو جا کر کوئے قاتل سے اٹھا لایا
جوانوں کو مے و ساغر کی محفل سے اٹھا لایا

چراغِ خانہ کو جس نے بنایا لالۂ صحرا
جبینِ قطرۂ بے مایہ سے جھلکا دیئے دریا

وہ جس نے آشیاں کی خاک میں چنگاریاں بھر دیں
رگوں میں خون کے بدلے تڑپتی بجلیاں بھر دیں

وہ ساقی جس کی پیمانۂ سخن میں تیغ کی تیزی
وہ واعظ پند میں جس کی حسینوں کی دل آویزی

غبارِ رنگ و بو میں بجلیاں کھوئے ہوئے پرچم
کبھی طوفان، کبھی ساحل، کبھی شعلہ، کبھی شبنم

قدامت کا پجاری اور نئی دنیا کا متوالا
خدا کو ماننے والا بتوں کو چاہنے والا

فقیرِ بے نوا تھا دل مگر شاہانہ رکھتا تھا
وہ عاشق تھا مگر اندازِ معشوقانہ رکھتا تھا

وہ جس کے واسطے پیمانوں سے بوندیں چھلک آئیں
مدینے کی ہوائیں گلشنِ لاہور تک آئیں

وہ جس نے ڈوبتی نبضوں میں دوڑایا لہو اپنا
بیابانوں کے دل میں بھر دیا ذوقِ نمو اپنا

وہ جس نے حریت کے راز بتلائے غلاموں کو
وہ جس نے سجدے کے آداب سکھلائے اماموں کو

دلِ یخ بستہ کو ذوقِ عمل کی آنچ دی جس نے
ہجومِ یاس کو بخشی یقیں کی روشنی جس نے

قدامت کو جھنجوڑا عامِ دستوروں کے بُت توڑے
حریمِ حُسن میں جاکر رموزِ عاشقی کھولے
وہ شاعر جس نے اسرارِ خودی کا راگ گایا تھا
وہ مے کش دے گواہی حُور جس کی پارسائی کی
زعیمِ مُلک و مِلّت، راہبرِ دیں، رندِ بے پروا
وہ جس نے زندگی کو بخش دی تابندگی ایسی
شفق ہر شام کو اس کی لحد پر پھول لاتی ہے

خودی کی ضرب سے دُنیا کے مغروروں کے بُت توڑے
فرشتوں کے عمل انسان کی میزان پر تولے
وہ غازی موت کا منہ دیکھ کر جو مُسکرایا تھا
وہ مومن بندگی میں شان تھی جس کی خدائی کی
کلیمِ طورِ معنی، علم کا بہتا ہوا دریا
جسے خود موت کی ظلمت بھی مدھّم کر نہیں سکتی
نسیمِ جاں فزا، ہر صُبح یہ نغمہ سُناتی ہے

یہاں ملتا رہے گا سوز و سازِ آرزو برسوں
کیا ہے خونِ دل سے اک قلندر نے وضو برسوں

•••

ابوالاثر حفیظ جالندھری

اقبال

قلبِ ہر مومن میں جو تصویر ہے اقبال ہے
جس کا نطق اسلام کی تفسیر ہے اقبال ہے
صبح جس کے خواب کی تعبیر ہے اقبال ہے
روحِ ملت جس سے پُرتنویر ہے اقبال ہے

قوم کیسے جاگ اٹھی اس راز میں اقبال ہے
قُم باذنِ اللہ کی آواز میں اقبال ہے
نغمہ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَۃِ اللہ کا سُرور
مہرِ ہر مہجور ہے جس ساز میں اقبال ہے

عاشقِ صادق رسول اللہ کا اقبال ہے
پیکرِ پُرسوز، اشک و آہ کا اقبال ہے
طالبِ حق پر ہے لازم اتباعِ مصطفےٰؐ
آج مخبر اس نشانِ راہ کا اقبال ہے

ذہنِ انسانی پہ قرآنی اثر اقبال ہے
باعثِ ہم رنگیٔ قلب و نظر اقبال ہے
رحمۃ للعالمیںؐ کے فیضِ نسبت سے حفیظؔ
میں بھی ہوں راہی، مرا بھی راہبر اقبال ہے

اثرؔ چکوالی

یادِ اقبال

ایشیاء کا فخر، مشرق کا پیمبر چل بسا
آہ! وہ اقبالؔ، وہ مردِ قلندر چل بسا
جس کی تابش سے منوّر تھا جہانِ شاعری
آسمانِ شعر و حکمت کا وہ خاور چل بسا
گرم تھا دل جس کا سوزِ احمدِؐ مختار سے
اجتہاد و صدق و آزادی کا پیکر چل بسا
جس نے پھونکا ملّتِ بیضا میں افسونِ حیات
زندگیٔ جاوداں کا وہ پیمبر چل بسا
عشق تھا جس کی نظر میں ملّتوں کی زندگی
وہ محیطِ عشق و اُلفت کا شناور چل بسا
بام پر جس نے ترقی کے چڑھایا قوم کو
عہدِ موجودہ کا وہ بے باک رہبر چل بسا
وہ کہ جس کی ہر نوا تجدیدِ شانِ رفتہ تھی
سیرتِ بسطامیؒ و بوذرؓ کا مظہر چل بسا

احسان دانش

حضرتِ اقبال

وہ ایک چشمہ جو اُترا تھا کوہساروں سے
وہ اک شرار جو پھوٹا تھا سنگ پاروں سے

وہ اک دیا جو جلا شب نما سویروں میں
وہ اک کرن جو ہنسی منجمد اندھیروں میں

وہ اک ستارہ جو ظلمت پہ مُسکرا کے چھُپا
وہ ایک چاند جو دریا کا دل بڑھا کے چھپا

وہ ایک کوندا جو لپکا لپک کے بیٹھ گیا
وہ اک شرر جو دھوئیں میں چمک کے بیٹھ گیا

وہ اک شہاب جو گردوں سے ٹوٹ کر نہ پھرا
وہ تیز قوسِ قزح سے جو چھوٹ کر نہ پھرا

وہ ناخُدا جسے ساحل کا رنج مار گیا
وہ ڈوب کر بھی سفینے کو پار اُتار گیا

وہ زمزمہ لبِ راوی پہ جو تمام ہوا
وہ اک جنون جو یزداں سے ہمکلام ہوا

وہ ایک صدائے منزل جو کارواں میں نہیں
وہ اک لطافتِ عنواں جو داستاں میں نہیں

وہ باغباں جسے مارا ہے لالہ و گُل نے
سکوتِ سرو وسمن نے، فغانِ بُلبل نے

وہ رند جب سے خراباتِ زندگی میں نہیں
خودی کا ذکر کہیں شہرِ بے خودی میں نہیں

احسن مارہروی

نذرِ اقبال

اے ادیبِ خوش بیاں اے شاعرِ شیریں زباں — تیرے سوز و ساز سے معمور ہے سارا جہاں
تیری میٹھی بات ہے ایران کی شاخِ نبات — طوطیِ شیراز جس کی مدح میں رطب اللساں
عودِ ہندی بن کے پھیلی تیرے نغموں کی صدا — تو ہے شاگردِ رشیدِ بلبلِ ہندوستاں
معرفت کا فلسفہ سیکھا ہے پیرِ روم سے — اور فصیح الملک سے پایا فصاحت کا نشاں
ساحری ہے شاعری تیری کہ ہے پیغمبری — ہے طلسمِ معنوی میں جس کے اعجازِ بیاں
تیری تصنیفات ہیں آئینہ بردارِ کمال — جن سے جوہر تیرے مثلِ روزِ روشن ہیں عیاں
کردیا وہ رازِ اسرارِ خودی نے منکشف — نفس کی عزت بڑھی جس سے، بنا دل نکتہ داں
ہیں رموزِ بے خودی میں وہ کنائے دُر شگاف — عظمتوں نے کر دیا تھا جن کو پردے میں نہاں
ہے زبورِ فارسی تشریحِ اسرار و رموز — جس نے کھولی ہیں سراسر معرفت کی گتھیاں
کی عطا جاوید نامے نے حیاتِ سرمدی — سلسلہ جس کا زمیں سے چل کے ہے تا آسماں
ہے پیامِ مشرق ایسا کارنامہ جس کے بعد — بن گئی مجذوب کی بڑ گوئٹے کی داستاں
نیل ڈالے جس نے سینوں میں وہ ہے ضربِ کلیم — جس سے ہر فرعونِ بے ساماں کا دل ہے نیم جاں
نام جس مجموعے کا مشہور ہے بانگِ درا — اُس نے چونکایا جہاں کو کارواں در کارواں
اور اک تصنیفِ اردو یعنی بالِ جبرئیل — اُس کا شہبازِ تخیل عرش پر ہے پر فشاں
علم کی دنیا میں حاصل ہے قبولِ عام انہیں — مستفیض و مستفید ان سے ہیں سب خورد و کلاں
قصہ کوتہ تیرے ارشادات و ملفوظات نے — اہلِ حکمت میں بڑھا دی آبروئے شاعراں
ورنہ یہ تھی شاعروں کی قدر و عزت ملک میں — ہو کوئی احسن تو اس پر بھی تھا اکذب کا بیاں
زندہ باد اے مصلحِ آئینِ حکمت زندہ باد — دی حیاتِ تازہ تو نے اے مسیحائے زماں

اور کیا کہیئے کہ روشن تر ترا احوال ہے
تو بلند اقبال و خوش اقبال و سر اقبال ہے

؎ (یہ نظم اقبالؒ کے دورانِ حیات میں لکھی گئی۔ مرتب)

احمد فراز

پیمبرِ مشرق

وہ شب کہ جس میں ترا شعلۂ نوا چمکا
ڈھلی تو ماتمِ یک شہرِ آرزو بھی ہُوا
وہ رُت کہ جس میں ترا نغمۂ جنوں گونجا
کٹی تو سازِ تمنّا لہو لہو بھی ہُوا

یہی بہت تھا کوئی منزلِ طلب تو ملی
کہیں تو مژدۂ قربِ حریمِ یار ملا
ہزار شکر کہ طعنِ برہنگی تو گیا
اگرچہ پیرہنِ شوق تار تار ملا

خیال تھا کہ شکستِ قفس کے بعد بھی ہم
ترے پیام کے روشن چراغ دیکھیں گے
رہے گا پیشِ نظر تیرا آئینہ جس میں
ہم اپنے ماضی و فردا کے داغ دیکھیں گے

مگر جو حال طلوعِ سحر کے بعد ہُوا
جو تیرے درس کی تحقیر ہم نے دیکھی ہے
بیاں کریں بھی تو کس سے کہیں تو کس سے کہیں
جو تیرے خواب کی تعبیر ہم نے دیکھی ہے

مُدبّروں نے وفا کے چراغ گُل کر کے
دراز دستیٔ جاہ و حشم کو عام کیا
مفکّروں نے فقیہوں کی دل دہی کے لئے
خودی کی مے میں تصوّف کا زہر گھول دیا

وہ کم نظر تھے کہ نادان تھے کہ شعبدہ گر
جو تجھ کو جنّ و ملائک کا ترجماں سمجھے
تری نظر میں ہمیشہ زمیں کے زخم رہے
مگر یہ تجھ کو مسیحائے آسماں سمجھے

عروجِ عظمتِ آدم تھا مُدّعا تیرا
مگر یہ لوگ نقوشِ فنا اُبھارتے ہیں
کس آسماں پہ ہے تو اے پیمبرِ مشرق
زمیں کے زخم تجھے آج بھی پکارتے ہیں

•••

احمد ندیم قاسمی

بخدمت اقبال

جانتے ہیں جو سمجھتے ہیں ترے فن کی زباں
تُو نے دی رُوح کے کعبے میں محبّت کی اذاں
مجھ کو اکثر ترا ارشاد ہی یاد آتا ہے
عشق کی شانِ حمیّت کا چھڑے ذکر جہاں
آخرِ کار سرِ منزلِ عرفاں پہنچی
تیری چٹکی میں تھی جس ناقہَ دوراں کی عناں
چمک اُٹھتی ہے بلندی پہ تری پیشانی
جب کبھی پھیلنے لگتا ہے نشیبوں میں دُھواں
جیسے شاخوں کا نمو دھوپ میں گُل بنتا ہے
خالقِ حُسنِ بہاراں، ترا قلبِ سوزاں
جس قدر اُمّتِ مُسلم پہ کرم ہیں تیرے
اتنے ہی ملّتِ آدم پہ ہیں تیرے احساں
عہدِ فردا میں جو تاریخ لکھی جائے گی
تیرے شعروں سے چُنے جائیں گے اس کے عنواں
رُومی و سعدی و غالب ہیں تری گونج سی ہے
جیسے صدیاں تجھے پانے میں رہیں سرگرداں
مجھ کو دعویٰ ہے کہ اس دَور کا شاعر ہوں مگر
شعر کہتا ہوں تو یاد آتا ہے تیرا فرماں
"برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گلِ تست
اے زخود رفتہ، تہی شو زنوائے دِگراں"

اختر بریلوی

نوحۂ اقبال

آہ دُنیا سے اُٹھ گیا اقبال — شاعرِ باکمال و با اقبال
خوش بیاں، خوش نصیب، خوش قسمت — نیک خُو، نیک طبع، نیک خصال
نکتہ رس، نکتہ سنج، نکتہ شناس — آدمی صورت و فرشتہ مثال
دُور بیں، زیرک و فہیم و ذکی — آئینہ دارِ حال و استقبال
حق رس و حق شناس و حق آگاہ — باہنر، باخبر، بلند اقبال
فہم و ادراک و فطنت و دانش — اُس ہمہ داں کے تھے یہ راس المال
تھا جہاں دیدہ و مآل اندیش — دولتِ علم و فن سے مالا مال
مغربی فلسفہ سے تھا آگاہ — مشرقی نکتوں سے بھی واقفِ حال
نازشِ دُودمانِ نیک دِلاں — فخرِ اوتار و صوفی و ابدال
آشنائے رموزِ درویشاں — واقفِ جادۂ حرام و حلال
اُس کی شہرت سے گونجتا تھا جہاں — مشرق و مغرب و جنوب و شمال
تھا وجیہہ و شکیل و کوہ وقار — صاحبِ رعب و داب و جاہ و جلال
تھی طبیعت میں اُس کی ہمواری — صفتِ خاص اُس کی استقلال
خضرِ ملت تھا ناخدائے وطن — قوم کے حق میں تھا وہ گویا ڈھال
خاص عنصر تھے اُس کے جود و سخا — تھا نہ کوتاہ اُس کا دستِ نوال
اس کے افعال نیک و صالح تھے — قابلِ رشک اس کے تھے اعمال

نقش ہیں دل پہ اہلِ دانش کے — اُس کے پند و نصائح و اقوال
ایشیا اُس پہ رشک کرتی ہے — اُس کی معدوم ہے جہاں میں مثال
شاعری اس پہ ختم ہے واللہ — کچھ نہیں اس میں جائے قیل و قال
اس کے دم سے فروغِ اُردو تھا — اُس کے اُٹھنے سے آگیا ہے زوال
اس سے دعویٰ کرے تقابل کا — نہ ہوئی آج تک کسی کی مجال
خوب ہوتا تھا اُس کا استنباط — اور اس سے بھی بڑھ کے استدلال
عارضِ تابناکِ اُردو پر — تھا وہ پیشِ نظر چمکتا خال
شاعری میں نہ پاؤ گے اُس کی — رنجِ شامِ فراق و عیشِ وصال
اُس پہ شاعری کا کیا کہنا — ہیچ تھا اُس کے آگے رستم و زال
سُن کے اُس کا کلام آتا ہے — وجد صوفی کو محتسب کو حال
خاک کو بھی نہ اُس کی پہنچیں گے — ایڑیاں لاکھ رگڑیں گر نقّال
اُٹھ گیا اُس کا سایہ دُنیا سے — پرِ عنقا ہے آج اُس کی مثال

نازشِ بزمِ ایشیا نہ رہا
لُٹ گیا شاعری بیت المال

اختر ہوشیارپوری

اقبال سے

ترے جنوں سے چراغاں جہانِ تیرہ و تار
تری خودی سے فروزاں حیات کی قندیل

تری نگاہ کی زد میں نجوم و کاہکشاں
ترے خیال کی رَو میں فرات و دجلہ و نیل

تری نوا سے پریشاں صنم کدوں کے طِلسم
تری تڑپ سے ہوئی شام صبح میں تبدیل

ہر ایک جنبشِ لب میں حیاتِ نَو کا پیام
ہر ایک نغمہ بھٹکتے ہوؤں کو بانگِ رحیل

تری نظر سے مِلا آرزو کو سوز و گداز
یہ 'ارضِ پاک' ہے تیرے خیال کا اعجاز

علی سردار جعفری

اقبال

پاسِ ادب سے تجھ کو سخنور نہ کہہ سکوں
تو وہ سفیرِ دردِ مسیحا کہوں تجھے
حُسنِ نظر کہ عینِ نظارا کہوں تجھے
اقبالِ کائناتِ تمنّا کہوں تجھے
دل ہی نہیں جسے دلِ مضطر نہ کہہ سکوں

کانوں میں گونجتی ہے صدائے درا ابھی
آئینے دے رہے ہیں تجھے راستا ابھی
روشن ہیں سنگِ رہ پہ ترے نقشِ پا ابھی
رہرو نہیں ہوں گر تجھے رہبر نہ کہہ سکوں
خوشبو ترے نفس کی ابھی تک ہوا میں ہے
تیری سحر کا رنگ تلاشِ صبا میں ہے
تیرا چراغ آج بھی دستِ دعا میں ہے
تیرہ شبی کو زُلفِ معنبر نہ کہہ سکوں
تجھ پر جنوں کو ناز ہے اے صاحبِ جنوں
اک آفتابِ تازہ ترا اشکِ لالہ گوں
ہے سجدہ گاہِ شوق ترا معبدِ فسوں
حد ہے کہ تجھ کو عصر کا آذر نہ کہہ سکوں

نسبت تجھے شعارِ درِ مصطفیٰؐ سے ہے
جو نُور ہے شرارِ درِ مصطفیٰؐ سے ہے
تیرا شرف غبارِ درِ مصطفیٰؐ سے ہے
تو امتحانِ جاں ہے سراسر نہ کہہ سکوں

اے وحشتِ زندگی میں دلِ آرزو پناہ
ہر ایک کا نصیب کہاں ہے تری نگاہ
تیری نگہہ پہ فاش ہوا سرِّ لاالٰہ
بے شک زباں سے تجھ کو پیمبر نہ کہہ سکوں

●

ادیب سہارنپوری

اقبال

اپنا سا ہمیں سوزِ جگر بخشنے والے
اے دیدۂ نرگس کو نظر بخشنے والے

تُونے ادبستاں میں نئے پھول کھلائے
تُونے ہمیں جینے کے نئے طور سکھائے

بیدار کیا رُوح کی پاکیزگیوں کو
اِک ولولۂ تازہ دیا تُونے دلوں کو

ہر پردہ اُٹھاتی گئی تیری نگہِ پاک
کھولے ہی گئی بھید تری شوخیٔ بیباک

ہر جادۂ پامال سے بچتا ہی گیا تُو
سو رنگ سے اذہان میں رچتا ہی گیا تُو

اللہ رے تری سحر بیانی کے کرشمے!
سینوں میں اُمنگوں کے مچلنے لگے چشمے!

گونجے ترے نغمات تو دل ہو گئے تانے
گھر گھر سے اُٹھے تنگ خیالی کے جنازے

بنیاد وہ تُونے ابدی عشق کی ڈالی
پہلو سے کھسکنے لگے معشوق خیالی

میزانِ کم و کیف میں تلتا ہی گیا تُو
خورشید صفت دہر پہ کھلتا ہی گیا تُو

بیدارئ افکار کی ایجاد پسندی
تعمیر ہی تعمیر۔ بلندی ہی بلندی

اس زندہ حقیقت میں نہیں فرق سرِ مُو
دریوزہ گرِ آتشِ بیگانہ نہیں تُو!

تُو ضربِ کلیمی ہے کہیں بانگِ درا ہے
ہر رنگ کا بادہ ترے شیشے میں بھرا ہے

کیا بات ترے دل میں چھپی تھی کسے معلوم
ہے ہے ترا اللہ سے وہ شکوۂ معصوم

دیکھے نہ تھے تُونے جو دکھائے ہیں تماشے
ہیروں کے جگر پھول کی پتّی سے تراشے

کھائے گا زمانہ ترے احسان کی قسمیں
وہ درسِ خودی ہے ترے اک ایک نفس میں

کیا کہیئے جہاں عام ہو۔ تاریک خیالی
اقبال خود اقبال ہے۔ غالبؔ ہے نہ حالیؔ

ادیب سہیل

آئینہ در آئینہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

حقیقت ہے
وہ دیدہ ور تھا
شاعر تھا
مفکّر تھا
وہ دیدہ ور ہے ــــ شاعر ہے ــــ مفکّر ہے
کئی دھاروں کا سنگم
مختلف رنگوں کا منبع ہے
ہر اک آئندہ ماہ و سال کے آنگن میں برگد ہے
جہاں ہر نسل کے افراد کو احساس کی خوشبو بہم ہو گی
جہاں ہر ذہن میں ادراک کی کونپل جنم لے گی
وہ آئینہ در آئینہ
وہ ماضی، حال، مستقبل
اُسے جس دیدہ ور کے سر پہ سجا دیں
ایک طرّہ ہے
وہ نبّاضِ زمانہ ہے
وہ لمحوں کا پیمبر ہے
یقیناً ایک سورج ہے!

ادیب مالیگانوی

آہ اقبال

شمعِ فطرت تھی جہاں میں زندگی اقبال کی
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے روشنی اقبال کی
بھاگئی اہلِ وطن کو بے خودی اقبال کی
مہرِ تاباں بن کے چمکی شاعری اقبال کی

سوزِ پروانے کا پنہاں اُس کی خاکستر میں تھا
شعلۂ گردوں نوردم اس کے دلِ مضطر میں تھا

اُس نے چمکایا ستارا عظمتِ اسلام کا
قطرہ قطرہ تھا حقیقت ریز اُس کے جام کا
چل سکا قابو نہ اُس پر گردشِ ایّام کا
دہر میں بجتا ہے ڈنکا آج اُس کے نام کا

اک وہی تسکینِ دل تھا غالب و حالی کے بعد
قوم کا کیا حال ہوگا اُس کی پامالی کے بعد

اِس چمن سے کیسے کیسے نغمہ پرور چل بسے
ہمنوائے بلبلِ شیراز اکثر چل بسے
اہلِ جوہر کو دکھا کر اپنے جوہر چل بسے
محفلِ شعر و ادب سے داغ و اکبر چل بسے

قوم کا اقبال تھا اقبال بھی جاتا رہا
آہ وہ اک نقشِ بے تمثال بھی جاتا رہا

اُس نے اِس انداز سے چھیڑا ربابِ زندگی
اُٹھ گئے اپنی نگاہوں سے حجابِ زندگی
اُس کے شعروں میں تھا اک جوشِ شبابِ زندگی
ذرّہ ذرّہ بن گیا مستِ شرابِ زندگی

محفلِ ہستی میں ایسا راز داں کوئی نہیں
کارواں باقی ہے میرِ کارواں کوئی نہیں

وہ کبھی غرناطہ و بغداد پر تھا اشکبار — وہ کبھی تھا خاکِ دلّی پر دل و جاں سے نثار
سرزمینِ قرطبہ میں جب ہوا اُس کا گزر — کی بلند اُس نے وہاں بھی اپنے سینے کی پکار

تھا کبھی مضطر وطن کی بے کسی کے واسطے
غم یہ سب مخصوص تھے گویا اُسی کے واسطے

اب کرے گا کون لذّت آشنائے آرزو — کس کے لب سے ہم سُنیں گے نغمۂ اللہ ہُو
کام آئے گا چمن کے کس کی آنکھوں کا لہو — کس سے زینت پائے گا اب یہ جہانِ رنگ و بُو

عشق کے اسرارِ پنہاں ہم کو سمجھائے گا کون
آتشِ دردِ محبت دل میں بھڑکائے گا کون

ہر نفس اقبال کا پروردۂ الہام تھا — اُس کے ہاتھوں میں چھلکتا زندگی کا جام تھا
دردِ ملّت سے تڑپنا باعثِ آرام تھا — شاعرِ اسلام تھا وہ شاعرِ اسلام تھا

چشمِ ظاہر میں اگرچہ اب وہ ٹوٹا ساز ہے
اُس کے نغموں میں حیاتِ جاوداں کا راز ہے

ارشاد الحق قدوسی

بحضور شاعرِ مشرق

شاعرِ مشرق امیرِ کارواں دانائے قوم!
تیری کاوش سے پھلا پھولا یہ سارا گلستاں
تیری جدّ و جہد سے قائم ہوا دار الاماں!!
اتّحاد و نظم وسعیِ بے کراں تیرے اصول
تیرا عزمِ بالیقیں تھا اک نشانِ جاوداں

شاعرِ مشرق امیرِ کارواں دانائے قوم!
پاک باطن، حق نگر، حق آشنا روشن جبیں
ملّتِ اسلامیہ کے عزم و ہمّت کے امیں
تو نے اپنی شاعری سے قوم کو بخشا شعور
تیرے افکارِ جلیلہ لائقِ صد آفریں

شاعرِ مشرق امیرِ کارواں دانائے قوم!
امن و آزادی اُخوّت کا علمبردار تھا
حاملِ صدق و صفا اور پیکرِ ایثار تھا
تو نے اپنے شعر سے بیدار کی رُوحِ عمل
ملک و ملّت کے لیے تُو آہنی دیوار تھا
شاعرِ مشرق امیرِ کارواں دانائے قوم

تو نے بخشا قوم کو کھویا ہوا عزّ و وقار
تیری ہستی ہے یقیناً باعثِ صد افتخار
تُو حکیمِ اُمّتِ اسلامیہ تھا بالیقیں
تیرے ارشادات میں مضمر ضمیر کردگار

شاعرِ مشرق، امیر کارواں، دانائے قوم!

ارشد ملتانی

اقبال

وہ ایک مردِ قلندر کہ جس کا سوزِ نوا ! — حیاتِ نو کے تقاضوں سے ہم کلام ہوا
طلسمِ تیرہ شبی کا اسیر تھا جو اُفق ! — طلوعِ صُبحِ درخشاں سے لالہ فام ہوا

روش روش پہ فروزاں ہوئے گل و لالہ — چمن چمن میں بہاروں کی حکمرانی ہے
نفس نفس میں ہے خنداں حیاتِ نو کا سرور — نظر نظر سے عیاں کیفِ شادمانی ہے

جہانِ کہنہ کو دے کر پیامِ نو کی نوید — ضمیرِ خاک میں بھر دی ہے شعلگی تُو نے
سُنا کے نغمۂ سوزِ یقینِ آزادی — دل و نظر کو عطا کی ہے آگہی تُو نے

جمالِ فکر و نظر پر نکھار آیا ہے ! — خموشیوں کو دیا تو نے اذنِ گویائی ـــ
ترے تفکرِ رمز آشنا کی رفعت نے — تجلیات کو بخشا فروغِ رعنائی

ستارے گرد بنے جا رہے ہیں راہوں کی — عروجِ آدمِ خاکی تری نظر میں ہے !
ترے کلام کے ہر لفظ میں ہے جلوہ فگن — وہ نورِ حسن جو پیشانیٔ سحر میں ہے !

جمالِ جلوۂ فطرت کا رازداں تو ہے
کمالِ عظمتِ آدم کا پاسباں تو ہے

اسد ملتانی

عصرِ اقبال

قول یہ اقبال کا تھا شاعرِ فردا ہوں میں
اِس سبب سے انجمن کے درمیاں تنہا ہوں میں

بس کہ پُر تاثیر تھی اُس کی صدائے دردناک
بُلبلِ تنہا کے نالوں سے ہوئے دل چاک چاک

زندگی میں کارگر ہونے لگا اُس کا پیام
بعدِ رحلت اور بھی روشن ہوا اُس کا کلام

معترف سب حکمتِ اقبال کے ہونے لگے
مشرق و مغرب میں اس کے ترجمے ہونے لگے

بہرہ یاب اُس کے سخن سے ہو رہے ہیں آج سب
تُرکی و شام و عراق و مصر و ایران و عرب

رات دن اُس کی نواؤں سے فضا معمور ہے
اُس کے نغمے نشر کرنے پر ہَوا مجبور ہے

آ گیا ہے عالمِ افکار میں اک زلزلہ
کروٹیں لینے لگا ہے زندگی کا ولولہ

ہے جو تحریکِ اتحادِ عالمِ اسلام کی
یہ بھی اک تشکیل ہے اقبال کے پیغام کی

عالمِ اسلام کے فکر و نظر پر چھا گیا
وقت کے افکار پر اقبال غالب آ گیا

خُلدِ نَو میں سب سے اُونچا قصر ہے اقبال کا
حق تو یہ ہے عصرِ حاضر، عصر ہے اقبال کا

●

63729

اسلم ملک پوری

اقبال

ترے شعور نے بخشی ہے آگہی ہم کو
تری خودی نے دیا درسِ زندگی ہم کو

رہِ حیات کی تاریکیوں میں اے اقبال
ترے طفیل ملی شمعِ آگہی ہم کو

بنائے زیست بنا تیرا عارفانہ کلام
سکونِ قلب کی سوغات بھی ملی ہم کو

زمانے والے بہرحال خوب جانتے ہیں
سکھائے تو نے ہی آدابِ بندگی ہم کو

تری نگاہِ بصیرت نے کر دیا بیدار
وگرنہ ہم ہیں کہاں کچھ خبر نہ تھی ہم کو

ترے خیال کی گہرائیوں میں گم ہو کر
خدا گواہ ملی منزلِ خودی ہم کو

ترے اصولوں کی ہم لوگ پیروی کرتے
نہ ہوتی پھر تو تمنائے رہبری ہم کو

یہ تیرا ہم پہ بہت ہی عظیم احساں ہے
بتائے تو نے اصولِ قلندری ہم کو

ترے حضور یہی سوچ کر چلے آئے
مٹا نہ ڈالے یہ طوفانِ برہمی ہم کو

ہیلیس مقالہ

اشرف عطا

اقبال

وہ کہ جس کے دم سے تھیں بزمِ خودی کی رونقیں
واقفِ رازِ خودی تھا عاشقِ نامِ رسولؐ
جس نے مِلّت کے دلوں میں بھر دیا سوزِ بلالؓ
جس نے مِلّت کو سکھائے زندہ رہنے کے اصول
جس نے ضربِ لا سے توڑا تھا طلسمِ رنگ و بُو
جس کو عالمگیر انسانی اخوت تھی قبول
جس نے قلبِ پاک میں پھونکا تھا صورِ انقلاب
جس کا دل تھا قیصریّت کے مظالم پر ملُول

وہ قلندر جس نے مشرق سے کہا "بیدار شو"
جس نے مِلّت سے کہا تقلیدِ مغرب ہے فضول
وہ قلندر جس نے افشا کر دیا رازِ حیات
آج اُس کی قبر پر ہے رحمتِ حق کا نزول

مَیں نے کل شب خواب میں دیکھا یہ نظّارہ عجیب
عُرفی و رُومی و خاقانی کھڑے تھے سب ملُول
کہہ رہے تھے مرقدِ اقبال پر مولائے رُومؒ
ترکِ خوابِ ناز کن اے واقفِ رمزِ رسولؐ

1996-12-1

اصغر سلیم

قطعات بیادِ اقبال

یہ جس کا سال ہے وہ مردِ راہ داں اقبال
دلوں کو شوقِ تگ و تاز دے رہا ہے ابھی
شبِ سیاہ میں بھٹکے نہ کارواں اُس کا
قدم قدم پہ وہ آواز دے رہا ہے ابھی

●

اُس کی نوا سے آج بھی دامنِ دل ہے چاک چاک
قبلۂ اہلِ دَرد وُہ مردِ جنوں پسند ہے
اُس کی غزل سے آج بھی صحنِ چمن میں دیکھنا
مَوجِ صبا ہے تیز تر شعلۂ گُل بلند ہے

●

ترا خونِ جگر ہے ترجماں اسمِ محمدؐ کا
ترے افکار میں ہے جلوہ فرما رُوحِ قرآنی
جوانوں کو عطا کی دولتِ سوزِ یقیں تُو نے
کوئی دیکھے ترے حرفِ غزل کی شعلہ سامانی

ہر چند کہ وہ مردِ قلندر ہے تہِ خاک
ہے اُس کی نواؤں سے گریبانِ سحر چاک
یہ اُس کی عطا ہے کہ لہو اہلِ وطن کا
خورشید صفت آج بھی ہے سرکش و بیباک

●

تیرا جنوں ہے حلقۂ آفاق پر محیط
تیرا پیام عشق کا حاصل ہے آج بھی
تیری غزل سے تیز ہے اب تک دلوں کی آگ
تیرا کلام گرمیٔ محفل ہے آج بھی

●

اصغر سودائی

متاعِ بانگِ درا

محیطِ ارض و سما لا الٰہ الاّ اللہ — ترا پیام ہے کیا لا الٰہ الاّ اللہ
نوائے شوق کا محور صنم کدے نہ صنم — متاعِ بانگِ درا لا الٰہ الاّ اللہ
نہ کوئی شاہدِ مطلق نہ کوئی خلقِ اللہ — فقط ہے نامِ خدا لا الٰہ الاّ اللہ
ازل کے روز جو تخلیقِ کائنات ہوئی — دلِ وجود میں تھا لا الٰہ الاّ اللہ
نہ آفتاب کی کرنیں نہ ماہتاب کا نور — دلوں کا راہ نما لا الٰہ الاّ اللہ
نظام سب سے جدا رحمتِ دو عالم کا — کلام سب سے بڑا لا الٰہ الاّ اللہ
ہزار نغمہ و آہنگ شاطرانِ فرنگ — ہماری ایک صدا لا الٰہ الاّ اللہ
جو چار لفظ ہیں تلخیصِ "ارمغانِ حجاز" — وہ چار لفظ ہیں کیا لا الٰہ الاّ اللہ
سوال جب بھی کیا ہم نے "پس چہ باید کرد؟" — جواب تو نے دیا لا الٰہ الاّ اللہ
ہے یہ بھی ایک کھلی آیتِ "زبورِ عجم" — کوئی بھی دکھ ہو دوا لا الٰہ الاّ اللہ

ملے تو کیسے ملے اختیارِ لوح و قلم
کہا نہ ہم نے سنا لا الٰہ الاّ اللہ

●

اصغر یگانہ

اقبال

خونِ دلِ مزدور کی آواز تھا اقبال
دیرینہ روایت میں نیا ساز تھا اقبال
مہر و مہ و انجم سے بھی کرتا رہا چشمک
مستقبلِ انسان کا ہمراز تھا اقبال

وہ شاعرِ مشرق جسے کہتا ہے زمانہ
آفاق کے ادراک کا رکھتا تھا خزانہ
ہے آتشِ گُل میں بھی عیاں سوز اُسی کا
بُلبل کی زباں پر بھی اُسی کا ہے ترانہ

وہ عالمِ افکار میں دن رات رہے گا
بُت خانے میں بھی محوِ مُناجات رہے گا
اِس عہد کی تعمیر و ترقی کا پیمبر
وہ فلسفیٔ دَورِ مساوات رہے گا

وہ فقر کی تصویر تھا وہ نقشِ خودی تھا
سرمد کی طرح عشق کی تفسیرِ نوی تھا
تقدیر کو تدبیر سے دی مات یگانہ
وہ صاحبِ دل جلوہ گرِ دیدہ وری تھا

افتخار عارف

اقبال کے حضور

نہالِ اقبال پھر تری سبز سبز شاخیں !
بہار کے رنگ رنگ پھولوں سے سج رہی ہیں
وہ پھول جو تیرا خواب ہیں تیری آرزو ہیں ! !
خدا انھیں سربلند رکھے
خدا انھیں ارجمند رکھے

نہالِ اقبال تیرے سائے

مسافرانِ قریبِ منزل کا حوصلہ ہیں
علم کشایانِ شہرِ حکمت کا سلسلہ ہیں
وہ حوصلہ جو وراثتِ انبیا رہا ہے !
وہ سلسلہ جو امانتِ اولیاء رہا ہے
خدا اسے برقرار رکھے
خدا اسے پائیدار رکھے

افتخار فخرؔ

نذرِ اقبال

اے حکیمِ قوم! اے اہلِ خودی کے رہنما
اے دلیلِ کارواں! اے صاحبِ بانگِ درا

اے سخنورِ بے بدل! اے مالکِ طبعِ سلیم
ہے تری فکرِ رسا، فکرِ سخن ضربِ کلیم

ارفع و اعلیٰ ہیں سب سے تیرے افکارِ خودی
تو نے واضح کر دیا ہم سب پہ اسرارِ خودی

کس طرح بھولے گی دنیا تیرے اس احسان کو
اوج پر تو نے بٹھایا عظمتِ انسان کو

تو نے وہ نکتے کیے اہلِ نظر پر آشکار
جس سے کھلتے ہیں رموزِ بے خودی کے در ہزار

اہلِ دانش پر عیاں ہوتا گیا ہستی کا راز
بھر دیئے مردہ دلوں میں تو نے وہ سوز و گداز

وجد میں آتے رہے شمس و قمر ارض و سما
بزمِ فطرت میں رہا تنہا ہی تو نغمہ سرا

تیرے رشحاتِ قلم سے اب بھی روشن ہے جبیں
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں

●

اکبر حیدری

شاعرِ مشرق

تری نواؤں نے بخشا دلوں کو سوزِ یقیں
تڑپ اُٹھے ہیں مرے تیرہ خاکداں کے مکیں

ترے جنوں نے خرد کو دیا ہے درسِ خودی
تری نگاہ نے کھولے رموزِ دُنیا و دیں

ترے قلم نے لکھیں آپ اپنی تقدیریں
مثالِ مہرِ درخشاں تھی تیری لوحِ جبیں

ترے پیام نے اک تازہ ولولہ بخشا
ترا پیام ہے اُمید بخشِ قلبِ حزیں

ترے جلال سے اُٹھے مری نظر کے حجاب
ترے جمال سے پائی نگاہ نے تسکیں

ہزار گتھیاں تیری خرد نے سُلجھائیں
ہزار پردے اُٹھائے ترے جنوں نے کہیں

بہت اُچھالا ہے نطشے کو اہلِ مغرب نے
مگر اے شاعرِ مشرق ترا جواب نہیں

اکبر کاظمی

شاعرِ مشرق کے حضور

ترے مذاقِ خودی سے ہوئی خرد سرشار
شعور و فکر میں احساس کے چراغ جلے
دیارِ ہوش میں ابھری خود آگہی کی فضا!
ملی نگاہوں کو اک تازہ روشنی کی انا

ترے ہی اسپِ خودی پر سوار ہو کے ملا
جہانِ زیست میں دل کے لہو سے دیپ جلاؤ
وطن پرستوں کو دنیا میں اک مقامِ نوی
دیا تھا تو نے ہی مشرق کو اک پیامِ نوی

یہ سرزمیں ہے وہی جس پہ تیرے وقتوں میں
بھرادا جسے ہم نے اجالنے کے لئے
بہر مقام گھنی تیرگی کے سائے تھے
مخالفوں سے بہر طور زخم کھائے تھے

یہ سرزمینِ مقدس جہاں پہ نام ترا
یہ اور بات سماعت میں ہے بہت خوش کن
چمک رہا ہے مگر روشنی نہیں دیتا
مگر فسردہ دلوں کو خوش نہیں دیتا

حیاتِ نو کے ثنا ور خود آگہی کے امیں
ترا وہ درسِ مساوات اگرچہ گیت سہی
تری خودی کو عمل میں نہ لا سکا کوئی
وہ گیت بھی نہ ترے بعد گا سکا کوئی

"یہاں فقط سرِ شاہیں کے واسطے ہے کلاہ"
بغیر بازو و شمشیر کچھ نہیں ملتا
بجا ہے یہ ترا فرمان شاعرِ مشرق
مرا بھی ہے یہی ایمان شاعرِ مشرق

اکبر لاہوری

اقبال کا مرثیہ

آج وہ مردِ خوش بیاں چُپ ہے
جس کی چُپ سے بس اک جہاں چُپ ہے

فلسفے کا دماغ مختل ہے
شاعری مُہر بر زباں چُپ ہے

ہے فصاحت جو سر بہ زانوئے غم
تو بلاغت بھی نیم جاں چُپ ہے

لالہ و گُل کا ترجماں نہ رہا
سخت صدمہ ہے گلستاں چُپ ہے

آج چُپ لگ گئی ستاروں کو
جن کی گردش کا راز داں چُپ ہے

بزمِ اُلفت میں ہُو کا عالم ہے
ایک شوریدہ داستاں چُپ ہے

ہو گیا سرد عشق کا بازار
کہ وہ سوداگرِ زباں چُپ ہے

محفلِ نعت ہو گئی سُونی
کہ محمدؐ کا مدح خواں چُپ ہے

کیوں نہ غم سے نڈھال ہو وہ قوم
جس کی عزت کا پاسباں چُپ ہے

مِل گیا خاک میں غرورِ حیات
جس کی عظمت کا ترجماں چُپ ہے

روشنی کو زوال ہے اکبر
کہ وہ شیدائے داستاں چُپ ہے

●

امین راحت چغتائی

اقبال کے حضور

بھٹک سکے گا نہ منزل سے کارواں اب کے
ترے خلوص نے بخشا ہے وہ نظر کو شعور
ہزار دار و رسن کے ہوں امتحاں در پیش
صدائے حق کی اشاعت ہے، شیوۂ منصور

کبھی جو تو نے جلائی تھی فکر کی قندیل
اُسی سے روشنی پاتے ہیں اہلِ علم و ادب
اُسی سے چھٹتی ہے ظلمت حیاتِ انساں کی
نکھر نکھر کے سنورتا ہے فن اسی کے سبب

ترے شعور نے شعر و ادب کی دنیا میں
متاعِ نقد و نظر کو اجال، اجال دیا
قلم قلم کو دیا درسِ زندگی آمیز
حکایتِ رُخِ گیتی کو حُسنِ نو بخشا

تو آشنائے خودی، مردِ حق شناس بھی تو
ترے رموزِ فقیری پہ خواجگی قرباں
کہ دے فقر سے بہتر نہ قصرِ سلطانی
یہی نوائے قلندر یہی صدائے زماں

ہم آج تیری بصیرت کی رہنمائی میں
نگارِ فن کو سنواریں گے، عہد کرتے ہیں
حیاتِ نو کو رچائیں گے شعر و نغمہ میں
شعورِ دہر نکھاریں گے عہد کرتے ہیں

انجم بسطامی

مقامِ اقبال

عشق کا بخشا ہے تو نے قوم کو سوز و گداز
ملّتِ اسلامیہ کو بخش کر رنگِ مجاز

دعوتِ فکر و عمل کا فلسفہ تیرا کلام
لفظ دل افروز جس کا شرح جس کی پاکباز

بن گئی بانگِ درا، آخر تری ضربِ کلیم
دل رُبا تیری نوا جو ضرب تیری دِل گداز

دیدۂ نمناک کا یہ اک بڑا اعجاز ہے
عصرِ حاضر کے تقاضے اور ترا افشائے راز

○

کر دیا پیدا تلاطم قوم کے افکار میں
تُو نے پھر گرما دیا ہے اپنی ملّت کا لہُو!

وہ پرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہ تھی
تُو نے اُن چاکِ گریباں کو کیا آخر رفو

تیرے نالوں سے ہوا شق آج سنگِ سامراج
گُل ہوئی ہے دانشِ مغرب کی شمعِ آرزو

ضربتِ پیہم نے تیری کر دیئے ہیں پاش پاش
مغربی تہذیب کے مینا و خُم، جام و سبُو

تو نے جو باطل کے چہرے سے اُٹھایا ہے نقاب
اس سے مِلّت کو ملا ہے ایک درسِ انقلاب

سرفروشوں کو دیا اک جذبۂ جنگ و جہاد
حق پرستوں کو دکھائی غازیوں کی آب و تاب

تو نے پیغامِ خودی سے پھونک دی اک تازہ رُوح
فرد کو پھر تو نے مِلّت کا بنایا ماہتاب

یہ مکافاتِ عمل تھا، یا دُعا اقبالؔ کی
ساحرِ افرنگ سے جس نے لیا اپنا حساب

●

انوار ظہوری

اقبال

جس نے کہ خرد ساز چلن بخش دیا تھا — اک عمر لیا کام اُسی طرزِ جنوں سے
تھی معنی و الفاظ میں تقدیس عمل کی — آگاہ رہا وہ خبرِ کُن فیکوں سے
اوروں سے جُداگانہ تخاطب کا قرینہ — بیدار کیا اُس نے تکلّم کے فسوں سے
آباد ہوئی خفتہ مزاجوں میں حرارت — جب شعلۂ احساس اُٹھا سوزِ دروں سے

اُس کے لبِ اعجاز پہ تھیں ہوش کی باتیں — وہ مردِ قلندر کہ خرد مندِ وطن تھا
گذرا ہے دل و ذہن میں اک آگ لگا کر — وہ جس کا سراپائے ہنر شعلہ بدن تھا
تقسیم کیا اُس نے جو پیمانۂ نَو سے — وہ بادۂ سرجوش بعنوانِ کہن تھا
تھی ملّتِ خُفتہ کے لئے دعوتِ ہستی — اشعار میں پوشیدہ مسیحائی کا فن تھا

لفظوں میں پروئے تھے لرزتے ہوئے آنسو — ہر دم اُسے اُمّت کے شب و روز کا غم تھا
تھا ساغرِ احساس میں وہ بادۂ نوشیں — جو ساقیٔ کوثر کا ثنا خوانِ کرم تھا
بخشی تھیں اُسے جس نے تفکّر کی ادائیں — وہ درد کہیں اور اگر تھا بھی تو کم تھا
جب دین کو مغرب نے بنایا تھا نشانہ — اُس وقت بھی آگاہِ تب و تابِ حرم تھا

ایس ایم اختر

اقبال

مسلمانانِ مشرق کو مسلماں کر دیا جس نے — اور ان پر منکشف وہ سرِ پنہاں کر دیا جس نے

وہ سرِ آیہ "انّ الملوک" جس نے سمجھایا — غلاموں کے لیے پیغامِ آزادی کو جو لایا

سبق جس نے پڑھایا پھر مسلمانوں کو الفت کا — صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا، امامت کا

کیا بیدار جس نے خوابِ غفلت سے مسلماں کو — دلِ پژمردہ میں تازہ کیا پھر نورِ ایماں کو

طلسمِ غلبۂ وہم و گماں کو جس نے توڑا تھا — وہ جس نے گردشِ ایام کا رخ آ کے موڑا تھا

بدل دیں مسلمِ ہندی کی جس نے آ کے تقریریں — یقیں سے کاٹ دیں احساسِ محکومی کی زنجیریں

دلا کر یادِ ماضی کر گیا ایمان کو تازہ، — حجازی، غازیوں اسلامیوں کی شان کو تازہ

علمبردار تھا اسلام کی روحِ اخوت کا — جمال الدین افغانی کے پیغامِ محبت کا

نہیں اقبال سا دانائے رازِ فطرتِ ہستی — سراپا سوز و ساز و عشق و فقرِ بوذر و مستی

وہ شاعر تھا، سخنور تھا، محقق تھا، مفکر تھا — فقیر و فیلسوف و مردِ مومن تھا، مفکر تھا

سکھایا ہم کو سرگرمِ عمل صبح و مسا رہنا — رہینِ لیس للانسان الا ما سعیٰ رہنا

کلام اس کا یہ مستقبل کی اک تصویر ہے بیشک — یہ پاکستان اسی کے خواب کی تعبیر ہے بیشک

اٹھ اے اختر، ہو سرگرمِ عمل تزئینِ گلشن کر
ہے رحمت جوش میں آئی کشادہ اپنا دامن کر

ایس۔ اے۔ رحمٰن

اقبال کے حضور

تیری نوائے راز ہے قلب و نظر کی زندگی!
ظُلمتِ فکرِ خام میں تیری تپش سے روشنی

تیرے ضمیر پر عیاں، تاروں سے بھی پرے جہاں
منظرِ رہگزر ہے تجھے حُور و جناں کی دل کشی

صبحِ شرف تری اذاں، عزّ و وقارِ خاکیاں
آدمی کو عطا کیا تو نے مقامِ آدمی

تیری کمند کے لیے صید زبوں تھے حُوریاں
تیری طلب کا منتہیٰ جذبِ صفاتِ داوری

ہو سکا طے نہ عمر بھر مرحلہ تیرے شوق کا
وصل سے بڑھ کے افتراق تیرا مدارِ سرخوشی

بادہ میں نشہ، سنگ میں لعل تیری نظر میں تھا
رنگِ جہاں بدل گیا، تو نے وہ دی خود آگہی

تیرے خیال پر رہا سایۂ "بالِ جبریل"
سحرِ فرنگ سرنگوں پیشِ عصائے موسوی

عشق ترا امام تھا، عشق ترا مقام تھا
عشق ترا پیام تھا، عشق ہی تیرا لشکری

تُو نے کبھی نہ پُر کیا غیر کی خُم سے جام کو
فقرِ غیور کی ادا، خود نگری و خود گری

تیری خودی و بے خودی بانگِ درائے کارواں
مل گیا بے ثبات کو ذوقِ حیاتِ سرمدی

تُو نے مجھے جگا دیا، مجھ کو مرا پتا دیا!
"جس کی طلب تھی ساقیا اُس سے کہیں سوا دیا"

بدر الدین قیصری

اقبال

مرحبا! اقبالؔ اس جادو بیانی پر تری! حبّذا طرزِ جدید شعر خوانی پر تری!
واہ وا ایسی طبیعت کی روانی پر تری آفریں! اس نکتہ دانی نکتہ رانی پر تری

شمع ہے تُو شاعری کی انجمن کے واسطے
فکر تیرا دام ہے مُرغِ سخن کے واسطے

بُلبلِ پنجاب تُو پنجاب ہے گلشن ترا پُر ہے تو گلہائے مضمون سے دامن ترا
جس کا دانہ دانہ خرمن ہو وہ ہے خرمن ترا دوسروں کے سو تصنّع ایک سادہ پن ترا

نقشِ تصویرِ مضامیں کے لیے مانیؔ ہے تُو
خطّۂ ہندوستاں میں غالبِؔ ثانی ہے تُو

ہیں نئے مضموں ترے باغِ سخن کے باغباں چُست تیری بندشیں سب سے جُدا طرزِ بیاں
چشمۂ کوثر سے ہے دھوئی ہوئی تیری زباں جو ادا تجھ میں نکلتی ہے وہ اوروں میں کہاں؟

از ہماں خُوباں بہ رعنائی یگانہ بودہ
وز جمالِ خویش در عالم فسانہ بودہ

صَرفِ فکرِ شعر جب تیری طبیعت ہو گئی درد قرباں ہو گیا، صدقے فصاحت ہو گئی
تیرے طوفانِ مضامیں سے یہ حالت ہو گئی سطر سطر موجۂ بحرِ بلاغت ہو گئی

یہ کہیں رُوح القدس کی کارفرمائی نہ ہو
شعر کے پردے میں اعجازِ مسیحائی نہ ہو

کی ہے خالق نے عطا چشمِ تماشا جو تجھے — ہو دلِ پُر درد جس میں وہ دیا پہلو تجھے
ہے الف اللہ کا سروِ کنارِ جُو تجھے — نغمۂ قمری صدائے نعرۂ یا ہُو تجھے

تو پسندِ خاطرِ خوردؔ[1] و کلاں ہونے کو ہے
یعنی اے یوسف عزیزِ کارواں ہونے کو ہے

اے شہِ ملکِ سخن رُوحِ روانِ قیصری — اے کہ موزوں ہے ترے سر پر کلاہ برتری
اے کہ تیری نظم ہے نُورِ خدِ جاں پروری — اے کہ تیرا شعر ہے خالی لبِ افسوں گری

طبع تیری غیرتِ صد ابرِ نیسانی رہے!
ذات تیری مظہرِ الطافِ یزدانی رہے

---

[1] یہ پہلی نظم ہے جو علامہ اقبالؒ کو خراجِ تحسین کے لیے "مخزن" مئی ۱۹۰۴ء میں شایع ہوئی۔ (مرتب)

بزمی انصاری

اقبال

یہ راز بتایا مجھے اک زندہ ولی نے
اقبالؔ ہے موجودہ زمانے کا مجدّد

ہر شعر میں پوشیدہ ہے گنجینۂ معنی
مردانِ ہنر کیش ہیں اس قول پہ شاہد

رکھتا ہے نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند
مُلّا نے بتایا اُسے زندیقی و مُلحد

وہ مردِ مسلمان وہ اللہ کا بندہ
آباد ہوئیں جس کی نواؤں سے مساجد

کرتا ہے عیاں سرِّ نہاں رازِ خودی کو
وہ صاحبِ ایمان و صفا مردِ مجاہد

چیرا ہے سرِ پردۂ افلاک کو اُس نے
ہیں اُس پہ عیاں عرش کے اسرار و مقاصد

وہ مردِ یگانہ وہ ہر اک راز سے آگاہ
پیدا نہ ہوا اُس جیسا سخنور کوئی شاید

اک ولولۂ تازہ دیا مُردہ دلوں کو
شق کر دیا اشعار سے پتھر کی سِلوں کو

بسمل دہلوی

اقبال

زہے اقبال کی ندرت وہ اندازِ بیاں اُس کا
وہ نوعِ کش مکش وہ دفترِ سوزِ نہاں اُس کا
یہ کب ممکن ہے بالائے فلک ہو آشیاں اُس کا
بعید فہم ہے اندازۂ حدِ گماں اُس کا

وہ اپنے دل میں طوفانِ حرارت لے کر آیا تھا
جگر میں سوز آنکھوں میں مروّت لے کر آیا تھا

وہ تاریکیِ زنداں دیکھ لیتا تھا نشیمن سے
حریمِ ناز کے پردے اُٹھا دیتا تھا چتون سے
پئے صحرا نہ لیتا تھا گل ولالہ وہ گلشن سے
بدل دیتا تھا ایجادِ سکندر قلبِ آہن سے

ہُما اُس کی نگاہِ دُور رس کی زد میں رہتا تھا
جنوں تک عالمِ ادراک کی سرحد میں رہتا تھا

کبھی وہ شانِ اسرارِ خودی کو سامنے لایا
کبھی اُس نے رموزِ بے خودی کا درس فرمایا
کبھی نظمِ حیاتِ مستقل کا نکتہ سمجھایا
کبھی دنیا کے منظر پر معِ ضربِ کلیم آیا

درِ معبود پر پہنچا دلِ درد آشنا لے کر
کبھی شکوہ بہ لب ہو کر کبھی بانگِ درا لیکر

جنوں میں اک تدبّر اور تدبّر میں جہاں بانی
جہاں بانی میں درویشی مگر مسجودِ سلطانی
سمجھتا ہوں کہ اب کیوں ہے فرشتوں کو پریشانی
ہوئی اقبال سے تکمیلِ احساساتِ انسانی

دریں عالم غمِ اقبال بسمل رہنما دارم
بکوشش می تو انم شد اگر بختِ رسا دارم

بشرا فغانی

ہدیۂ عقیدت

جہانِ شاعری میں نور برساتا ہوا آیا — فضائے حکمت و الہام پر چھاتا ہوا آیا
بڑا احساں ہے، اردو پر اُس کے نطقِ شیریں کا — وہ فنِ شعر کی تکمیل فرماتا ہوا آیا
مضامیں کی بنا رکھتا ہوا اعلیٰ تخیل پر — نئی راہیں ادب کی سامنے لاتا ہوا آیا
رضائے مردِ مومن کو کیا تقدیر کا ہمسر — فضاؤں میں خودی کے زمزمے گاتا ہوا آیا
مسلماں کھو چکے تھے سوزِ دل افسونِ مغرب سے — اُنھیں پھر آتشِ رومی سے گرماتا ہوا آیا
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی — عمل کی خوبیاں ملت کو سمجھاتا ہوا آیا
ضرورت مردِ مومن کی نہیں اسباب و ساماں کی — ہمیں فقر و غنا کے راز بتلاتا ہوا آیا
یقیں کا ذوق زنجیرِ غلامی کاٹ دیتا ہے — غلاموں کو شہی کی راہ دکھلاتا ہوا آیا
دیارِ ہند میں گاتا ہوا توحید کے نغمے — وہ مُلا کے صنم خانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا
کہا اُس نے زمانے سے مسلماں مٹ نہیں سکتا — ترانے سطوتِ اسلام کے گاتا ہوا آیا
دیا بانگِ درا سے روح کو پیغامِ بیداری — وہ ملت کی گراں خوابی پہ غم کھاتا ہوا آیا
ازل میں دے دیا تھا بالِ جبریل اس کو خالق نے — سحابِ لطف بن کر ہند پر چھاتا ہوا آیا
بنا ضربِ کلیم اُس کے قلم سے حرف جو نکلا — وہ ہر فرعون کو اعجاز دکھلاتا ہوا آیا
فرنگی کو دیا پیغامِ نو ایوانِ مشرق سے — گلِ اسلام سے عالم کو مہکاتا ہوا آیا

بنا جس علم کی ڈالی گئی تھی بزمِ یثرب میں
وہ اُس تعلیم کو دنیا میں پھیلاتا ہوا آیا

بشیر زیدی اسیرؔ

نذرِ اقبال

کارگہہِ عشق کے واقفِ راز و نیاز
دل میں فروزاں ترے مشعلِ سوز و گداز

امتِ مسلم کہ تھی کشتۂ حسنِ مجاز
تو نے بتائے اسے عشقِ حقیقی کے راز

عشق ہے تیرا امام عشق ہے تیری نماز
عشق ترا معتبر عشق ترا سرفراز

تیرے تفکر پہ ہے نکتہ وروں کی اساس
مولویٔ روم کے پیرو نکتہ طراز

راہیٔ راہِ یقیں شہرِ خودی کے مکیں
تیری نوا دلنشیں تیرا سخن دلنواز

نغمہ ترا جس طرف دوشِ ہوا پر چلا
آگ لگاتا چلا تا سوزِ دلِ نے نواز

دیکھتا کیونکر نہ تو خوابِ حقیقت اساس
چشمِ تخیل میں تھا سرمۂ خاکِ مجاز

"نکتۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز"

اقبالؔ

●

بشیر فاروقی

نذرِ اقبال

آج اُس زندۂ جاوید کا ہے یومِ عظیم
جس سے ہے ملّت اسلام کی فکری تنظیم

جس نے بخشا دلِ مُردہ کو نیا عزمِ حیات
رُوحِ افسردہ کو دی جس نے خودی کی تعلیم

جس کا ارشاد کہ تقدیر بدل سکتی ہے
مُشتِ خاکی میں پَرافشاں ہو اگر عزمِ صمیم

جس نے اربابِ تگ و دو کو یہ پیغام دیا
سب مسافر ہیں بظاہر نظر آتے ہیں مقیم

اشک افشاں جسے رکھتا تھا غمِ نوعِ بشر
خوں رُلاتا تھا جسے قوم کا احوالِ سقیم

جس کے انفاس میں ہے نکہتِ گلہائے حجاز
جس کے افکار میں ہے گلشنِ بطحا کی شمیم

جس کا ہر جذبۂ بیدار ہے بالِ جبریل
جس کا ہر لفظ ہے ملّت کے لئے ضربِ کلیم

تیرے اشعار مسافر کے لئے بانگِ درا
تیرے اشعار غلاموں کے لئے رُوحِ کلیم

اہلِ مغرب کے لئے تیرا پیامِ مشرق
نامۂ فکر و نظر، حکمتِ خود دار حکیم

لالہ و گل ہیں اُدھر تیرے لئے سینہ خراش
مضطرب صحنِ چمن میں ہے اِدھر موجِ نسیم

جاگ اسرارِ خودی کے سخن آرا اقبال
تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم

پروین فنا سیّد

عکسِ آگہی

ازل سے لمحوں کے ان گنت کارواں
ابد کے بسیط صحرا کی سمت ہر دم رواں
عجب بے نیاز بے رحم دھول اُڑاتے سموں تلے
روندتے نقوشِ حیات
حُسنِ ثبات کو ــ!
اُن کی زد سے کس کو اماں
مگر ــ!
اس غبار میں
ایک پل جو رُک کر ٹھہر گیا
ایک پل جو ذرّے کی رُوح تک میں اُتر گیا
یوں دمک اٹھا ــ!
مہر و ماہ و بزمِ نجوم تک کپکپا اُٹھی
اے میرے مفکّر ــ!
یہ ذہن کی تیرگی کا صحرا ــ!
کہ جس کی بے نُور وسعتوں میں
شعور کے راستوں پہ فکر و نظر کی مشعل کو تھام کر
آگہی کے دھندلے نقوش کی جستجو میں

دیوانہ وار جب بھی قدم اُٹھایا
تو تیرے وجدان کی ضیا کے دمکتے ہالے کی گردشوں میں
خودی کی قوسِ قزح میں لپٹے وجود کو آگہی
تیرہ بخت انسانیت کے اجڑے نصیب کو روشنی ملی
تخیّل کی رفعتوں کے نقیب
تیرے وجود سے
ذوقِ عشق کو بندگی ملی
میرے نغمہ گر ــ!
عزم، حوصلے، پستیوں کے غاروں میں منہ چھپا کے
لہو لہو پیرہن
بدن رسیوں میں جکڑے
عقیدتوں کے بلند مینار مرتعش
ہر پناہ گہہ تک رسائی مشکل
مگر تیرے نغمۂ صداقت کی گونج سے
تھرتھرا اُٹھیں منجمد زمانے کی دھڑکنیں
ٹوٹ کر گریں آہنی سلاسل کی بندشیں!
تجھ کو آرزو

میں کھلی ہواؤں جیسی
میرے فکر کا گلستاں مہک اٹھے
میری اپنی مٹی کے تازہ روشن گلاب سے
میں عقیدتوں کے شعور سے آشنا جبیں
عاجزی کی دہلیز پر جھکاؤں
تو مسجدوں کے بلند مینار جگمگا کر دھڑک اٹھیں
جذبۂ خودی کے ثبات سے ۔ !
نقش ریت پر بھی اگر بناؤں
تو اس یقیں سے
کہ آنے والی ہزار صدیاں
نشانہ پائیں گی آگہی کے سراغ
میری انا کے روشن چراغ کو
میرے فلسفی
تیری چشمِ بینا وہ آئینہ
جس میں آنے والے ہر اک زمانے کا عکس روشن
تو اپنی مٹی کے نم میں ماہ و نجوم کی دھڑکنوں کا جویا

تیری تمنا ۔ !
کہ تیرے نقشِ قدم کی لو میں
کشاں کشاں ۔ !
محرمانِ حق
عشق کے کٹھن مرحلوں
عرفانِ ذات کے اجنبی دھندلکوں کو چیرتے
جادۂ وفا پر
نئے جہانوں کی جستجو میں
کچھ اس تیقّن سے گامزن ہوں
کہ بزمِ عالم دھڑک اٹھے
اے میرے مفکر ۔ !
میں تجھ سے شرمندہ میرے شاعر
ندامتوں کی حکایتیں
رُوح میں چھپائے
میں رو رہی ہوں ۔ !
لرز رہی ہوں ۔ !

●

تابش دہلوی

میرِ کارواں

ہزار چشمۂ حیواں ہے ایک تشنہ لبی
زمانہ آج بھی اس رمز سے ہے ناواقف
کہ زندگی کا تقاضا ہے مدعا طلبی!

تلاشِ منزلِ مقصد ہے خود بھی اک انعام
یہ رازِ اہلِ بصیرت پہ فاش ہے لیکن
حصولِ منزلِ مقصود ہے بہت دشوار
رہِ طلب میں، طلب دل خراش ہے لیکن
بشرطِ شوق ہے منزل رسی بہت آسان!

تری نگاہ نے سمجھا دیے زمانے کو
حصولِ منزل و تکمیلِ شوق کے آداب
دوام تو نے دیا عشق کے فسانے کو
اس ایک مقصدِ ہستی کو زندگی دے کر!

اک اضطرابِ مسلسل ہے زندگی کا ثبات
یہ اہلِ قافلہ خود رہ نورد کیا ہوتے
چراغ راہ نہ بنتا جو تیرا سوزِ حیات
تری نوائے درا، نغمۂ جرس ٹھہری

ہزار اہلِ طلب آ گئے سرِ منزل
ابھی یہ سلسلۂ جستجو رہے جاری
ہزار عشرتِ منزل ہمیں ہوئی حاصل
ابھی کچھ اور تب و تابِ زندگی کچھ اور بڑھے!

نظر نظر میں ہیں لاکھوں جہانِ نو پیدا
نفس نفس میں ہے پھر شہپرِ آرزو کی نوید
بطونِ خاک سے ہو جائیں تیز رو پیدا
امیرِ قافلہ! دے خلد سے کوئی پیغام

تابش صدیقی

اقبال اور چاند کا سفر

اک پھول کھلا
کشمیر کی اک پھلواری میں
کشمیر کے پاس اک پھول کھلا
اس پھول کی خوشبو پھیل گئی
یوں دوشِ ہوا پر چاروں جانب
پھیل گئی
ہر گوشہ کالی دھرتی کا
خوشبو کے سحر سے جھوم اٹھا
اک پھول کھلا

اِک گیت اُبھرا
اور — موت کے گہرے سناٹوں
کے جنگل کا دل کانپ اُٹھا — اور
نیند کے ماتے سبز گھنے اشجار
نے بھی انگڑائی لی

آنکھوں نے ستاروں کی دیکھا
ایک منظر جاگتے خوابوں کا
ہر پیڑ کے ٹھنڈے سینے میں
اک انساں تھا
اک ہنستا، بولتا، جیتا، جاگتا
چلتا پھرتا انساں تھا
اک پیکر سا بےتابی کا
یوں گیت اُبھرا
اک شمع جلی

اندھیاروں میں اک شمع جلی
اس شمع کی لَو سے ہر سینے میں آگ جلی
ہر آنکھ میں جاگی جوت نئی
اور رات ڈھلی
اور — پاک سفر آغاز ہوا
ہستی کو نیا انداز ملا۔
اور چاند کی منزل پاس ہی تھی۔

تاج سعید

اقبال

(دوہے)

ایک کوئی اقبال کہ جس نے گیت انوکھے گاتے
گیت کہ جن کو سُن کر مورکھ دیرے سے مُسکاتے

اس مُسکان میں چھپا ہوا تھا بھید نیا نرالا
بھید کو جان کے کوئی نے بھی پھر اپنا ہوش سنبھالا

ہوش سنبھال کے کوئی جی پھر اپنی فکروں میں ڈوبا
ڈوب کے اُبھرا جب تو دیکھ چکا تھا سُندر سپنا

سپنا پیارا تھا پر اُس کے شعر نے دھوم مچائی
دھوم کے کارن ہی اُس نے دُنیا سے آنکھ ملائی

آنکھ ملا کر اُس نے چھیڑے اس دھرتی کے گیت
گیت کو سُن کر اس کو ملے پھر من چاہے سے میت

●

تاج محمد خیال

اقبال

رازِ سربستہ زمانے پہ عیاں ہوتا ہے
پھر سے مہتابِ یقیں نور فشاں ہوتا ہے
اللہ اللہ کہ اک مردِ قلندر کے طفیل
مشرقِ پیر کو دیکھو کہ جواں ہوتا ہے

از سرِ نو ہوئی سینوں میں تمنا بیدار
ہر طرف زندگیٔ نو کے عیاں ہیں آثار
کسی قوت سے دبیں گے نہ جوانانِ عزیز
ٹھنڈی پڑنے کی نہیں اب کے ہماری پیکار

عقل کو عشق کا ہمدوش بنانے والا
توڑ کر بندِ خرد ہوش میں آنے والا
کیا کہیں کیا تھا جسے کہتی ہے دنیا اقبال
قوم کے سوئے نصیبوں کو جگانے والا

تبسم رضوانی

مصوّرِ آزادی

قوم کو نغمۂ تنویر سنانے والے
خطۂ پاک کی تصویر دکھانے والے
رسمِ آزادی کی زنجیر ہلانے والے
فکرِ تعمیر کی تدبیر بتانے والے

سر پہ اغیار کے چڑھ کر ترا جادو بولا
مثلِ آسودگی، تاثیر نے بازو کھولا

گھپ اندھیروں میں چراغوں کو جلایا تُو نے
بزمِ امکاں کو اُجالوں سے سجایا تُو نے
کس قدر حوصلہ ملّت کا بڑھایا تُو نے
ایک شاہیں کو ممولوں سے لڑایا تُو نے

تُو قلمکار تھا پیغام جتانے کے لئے
تیری آواز تھی سوتوں کو جگانے کے لئے

تیرے اشعار کا ہر لفظ تھا مثلِ قندیل
تیرے افکار میں بیتاب لگن کی تفصیل
تُو نے ذہنوں پہ جما زنگ کیا تھا تحلیل
تیرے آہنگ میں تھی عظمتِ بالِ جبریل

قوم کے رنج کا ہر دم تجھے احساس رہا
جذبۂ بے باک اڑانوں کا ترے پاس رہا

دردِ انساں ترے سینے میں بہم رہتا تھا
بوجھ جو ذہن پہ پڑتا تھا اُسے سہتا تھا
تیری تخئیل کا دریائے جواں بہتا تھا
تیرا احساس یہی تھا، تُو یہی کہتا تھا

لوگ پستی سے نکل کر سوئے معراج چلیں
جتنے ذرّات ہیں سب چاند ستاروں میں ڈھلیں

تحسین سروری

نغمہ گرِ حیات

ایک ایسا نغمہ گر آکر ہمیں چونکا گیا
جس کے نغموں کا اُجالا آسماں پر چھا گیا
جس کی لَے، جس کی صدا سے گونج اٹھے دشت و جبل
جس کی تانوں میں سمٹ کر اک زمانہ آ گیا
صبح و شام اب تک اُسی کے ذکر سے معمور ہے
زندگی کا پرچمِ انوار یوں لہرا گیا
جس کی محفل میں رہا انسانیت کا سازِ نو
جس کا ہر نغمہ دلِ ابلیس کو دھڑکا گیا

آج وہ باقی نہیں، نغمے ہیں اس کے جاوداں
اب بھی اُس کے ساز میں مضمر ہے اک تازہ جہاں

اُس کی ہر اک تان میں تھی زندگی کی آب و تاب
اُس کے گیتوں کی زبانی میں تھا طوفاں کا شباب
اُس کی ہر دُھن سے عیاں تھا اک پیامِ زندگی
اُس کے ہر اک لفظ نے کھولا تھا ارمانوں کا باب
اُس کے راگوں کی حرارت سے سحر پیدا ہوئی
اِک حقیقت بن گئے اُس کی تمناؤں کے خواب
اُس نے جب چھیڑا ترانہ ساری محفل جھوم اُٹھی
آرزو نے بڑھ کے اُلٹا شوق کے رُخ سے نقاب

اُس کا اندازِ ترنم یاد رکھنا چاہیے
زمزموں سے اُس کے دل آباد رکھنا چاہیے

تصدق حسین خالد

اقبال

مرگ نے بھینچ لیا تیرے تنِ خاکی کو
تو مگر مر نہ سکا
قبر تیرے لئے آغوش کُشا بیٹھی ہے
مرگ سمجھی تری منزل ہے یہی
"ان ستاروں سے پرے اور بھی دُنیائیں ہیں"
اسے معلوم نہ تھا
مرگ خود شہپرِ پرواز بنی
روحِ بیباک نے "خورشید کا سامانِ سفر تازہ کیا"
راہ تکتی ہی رہی قبر کہ اب آتا ہے
کتنی افسردہ و مایوس ہے قبر
قبر کی منزلِ تاریک ترا مسکن ہو؟
تو کہ "روشن ہے جبیں" تری ستاروں کی طرح
بے خبر تھی ترے جوہر کی نوا تابی سے
گرمیٔ عشق نے کی تیرے وہ مشعل روشن
جس کے شعلے کی لپک ہے ابدیّت بکنار
مرگ بیٹھی ہی رہے گی ترے مرقد کے حضور
تو چمکتا ہی رہے گا سرِ دامانِ سحاب!

تلوک چند محرُوم

زندۂ جاوید اقبالؔ

ظاہر کی آنکھ سے جو نہاں ہو گیا تو کیا
احساس میں سما گیا دل میں اُتر گیا
کُنجِ مزار میں تنِ خاکی کو چھوڑ کر
قُدسی نژاد اوجِ سماوات پر گیا
کاشانۂ بقا میں مسافر پہنچ گیا
ویرانۂ فنا سے سلامت گذر گیا
باغِ جہاں میں صورتِ گلہائے تر رہا
باغِ جناں میں مثلِ نسیم سحر گیا
خاکِ چمن میں گوہرِ شبنم نہاں نہیں
خورشیدِ جلوہ بار سے پوچھو کدھر گیا
"ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق"
روشن تر اس حقیقتِ روشن کو کر گیا

محرُوم! کیوں ترے دلِ حرماں نصیب کو
یہ وہم ہو گیا ہے کہ اقبالؔ مر گیا

ثاقب سلمانی

آہ اقبال

کن حسرتوں کا خوں یہ دلِ داغدار ہے
پہلو میں ایک جاں ہے کہ شمعِ مزار ہے

شکلِ حباب ہستیٔ ناپائیدار ہے
کیا زندگی جو موت پہ آخر نثار ہے

گُل ہو، اجل کے ایک ہی جھونکے سے جس کی لَو
وہ زندگی چراغِ سرِ رہگذار ہے

داغِ فراق دے کے ہمیں آج چل بسا
کس دیس میں وہ شاعرِ معجز نگار ہے

ہے مہر کی تجلّی ترا پرتوِ خیال
رُوح القدس بھی تیری زباں پر نثار ہے

کوثر میں ہیں دُھلی ہوئی جس کی لطافتیں
اُردو زباں کو تجھ پہ بجا افتخار ہے

ایراں کو تجھ پہ ناز تھا ہندوستاں کو فخر
ماتم میں تیرے ایک جہاں سوگوار ہے

نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھوں ہوس رہی
نظّارہ کو تو جنبشِ مژگاں بھی بار ہے

سُونی پڑی ہے تیرے سوا بزمِ شاعری
اقبال آ کہ ہم کو ترا انتظار ہے

صبرِ جمیل چاہیے پر آہ کیا کروں؟
اپنے دلِ حزیں پہ کہاں اختیار ہے

بزمِ سخن میں شمعِ فروزاں رہے گا تُو
جب تک جہاں میں گردشِ لیل و نہار ہے

جابر علی سیّد

اِقبال کی یاد میں

اے فلسفہ آشنائے عالم — حکمت آموزِ سعیِ پیہم
تھا درس ترا حقیقت آموز — اور تیری نوا حیات افروز
پیغام، حیاتِ جاودانی — موجِ مئے عشق کی روانی
کتنا ہمہ گیر کتنا بے تاب — جیسے کوئی مشعلِ جہاں تاب
درویشِ خدا شناس آگاہ — شاہنشہِ شعر آسماں جاہ
دل بحرِ حیات کا شناور — جاں مہرِ خیال سے منوّر
ہر شعر ترا ہے برقِ تخئیل — ہر نظم ہے مثلِ بالِ جبریل
ہے آج ہمیں تری ضرورت — احساسِ زیاں ہے وجہِ حسرت
یہ بانگِ درا، یہ بالِ جبریل — دریائے شعور، موجۂ نیل
یہ ضربِ کلیم و ارمغاں ہیں — یا حکمت و شوق کا جہاں ہیں
معنی بلند، لفظ شہکار — یکتا آہنگ، فکر پرکار
دریائے خودی میں غوطہ پرداز — صورت، اسلوب، نغمہ، انداز
ملّت کو حیاتِ نَو ہے درکار — اسرار و رموز کی طلبگار

پھر ولولۂ عمل عطا کر
اے جوشِ حیات کے پیمبر!

جاذب قریشی

آزادیٔ انساں کا پیمبر

اقبال اُجالوں کا درخشندہ منارہ
اقبال کی نظروں میں فضائے مہ و انجم
اقبال کے ہونٹوں پہ امیدوں کا تبسم
اقبال نئی صبح کی قسمت کا ستارہ
اقبال اُجالوں کا درخشندہ منارہ

اقبال نوا سنج ہے تقدیسِ عمل کا
اقبال کے احساس میں پھولوں کی مہک ہے
اقبال کے نغمے ہیں کہ شعلوں کی لپک ہے
اقبال کی آواز ہے جاگی ہوئی دُنیا
اقبال نوا سنج ہے تقدیسِ عمل کا

اقبال ہے ظالم کے لیے موت کا فرماں
جو ظلم کی طاقت سے شہنشاہ بنا ہو
جو وقت کے مغرور خداؤں کا خدا ہو
سلطانیٔ جمہور ہے اقبال کا ایماں
اقبال ہے ظالم کے لیے موت کا ساماں

اقبال نے دیوارِ غلامی کو گرایا!
جسموں کو ستم گاہ سے آزاد کیا ہے
روحوں کو نیا جذبۂ پرواز دیا ہے
اقبال نے سوئے ہوئے شاہیں کو جگایا
اقبال نے دیوارِ غلامی کو گرایا!

اقبال ہے آزادیٔ انساں کا پیمبر
آزادیٔ انساں کے پرستار ہیں ہم لوگ
سورج کی طرح زیست کا اظہار ہیں ہم لوگ
ہم لوگ نہیں بت کدۂ ظلم کے آذر
اقبال ہے آزادیٔ انساں کا پیمبر
آزادیٔ انساں کے پرستار ہیں ہم لوگ

جعفر شیرازی

اقبال

عجیب فکر — مفکر عجب طرح کا تھا
عجیب نقش — مصور عجب طرح کا تھا
عجیب سوچ — مقرر عجب طرح کا تھا
دکھانے راہ نئی منزلوں کی آیا تھا
اک ایک نکتہ سفر کا سمجھانے آیا تھا

نشانِ عظمتِ انسان — آدمی ایسا
رموزِ دہر کی پہچان — فلسفی ایسا
تھی قوم جسم تو وہ جان — اجنبی ایسا
خزانے فکر و عمل کے لُٹانے آیا تھا
نصیب خُفتہ ہمارے جگانے آیا تھا

دکھا کے راستہ طرحِ چمن بدلنے کا
طریق اس نے سکھایا ہمیں سنبھلنے کا
نئے سفر پہ نئے راستوں پہ چلنے کا

وہ رازداں ہی تو تھا رہنمائے ملت بھی
مریضِ دردِ اُخوت — حکیم الاُمت بھی

بھٹک گئے تو دکھائے سراغ منزل کے
ہوا میں اُس نے جلائے چراغ منزل کے
لبوں سے ہم نے لگائے ایاغ منزل کے

پیام اُس کا بہت میرِ کارواں کے لیے
ہے جس کا نام بہت زیبِ داستاں کے لیے

بسیرا کر گئے شاہیں ترے چٹانوں پر
ہوئے بلند تو پہنچے ہیں آسمانوں پر
ترے سبب ہمیں سبقت ملی زمانوں پر

لیے ہوئے ہیں ترا عزم کرگسوں کے لیے
ہمارے ہاتھ میں پتھر ہیں اب بتوں کے لیے

کیا جو نقش اُجاگر اُسے زوال کہاں
رفیقِ قائدِ اعظمؒ تری مثال کہاں

●

جعفر طاہر

اقبال

نشاطِ دیدہ و دل ہے شراب خانہ تِرا
یہ دَور نو ہے کہ دَورِ مئے مغانہ تِرا

فضائے ارض و سما ہے کہ صید گاہ تِری
خُدائی گیا ہے خُدا بن گیا نشانہ تِرا

وہ تیری گرمئ گفتار ہم نہیں بھُولے
حضورِ حق میں وہ انداز والہانہ تِرا

وہ تیرا شکوہ کہ سُن کر خُدا تڑپ اُٹھا
وہ حرف حرف دلآویز و دِلبرانہ تِرا

اِس آگ سے دلِ ایمانیاں ہوئے روشن
عجیب چیز ہے یہ عشق کا فسانہ تِرا

وہ برہمن کہ جو شرکِ خفی سے خالی ہے
کمال یہ کہ نہیں نطق ہندوانہ تِرا

یہ کفر و دیں کے جہاں میں تِرا دلِ روشن
وہ بُت کدہ کہ حرم ہو نگار خانہ تِرا

شبِ فراق میں رہ رہ کے گریہ وزاری
نویدِ وصل پہ وہ شکر عاشقانہ تِرا

وہ تیرا پیکرِ خم گشتہ سربسر محراب
وہ بارگاہِ رسالت میں سَر جُھکانا تِرا

یہ لاالٰہ کے دو حرف تیرے وردِ زباں
یہی نماز تِری اور یہی دوگانہ تِرا

وقارِ عشق تِرا گریۂ سحر گاہی
نوائے سازِ حرم، نالۂ شبانہ تِرا

بُلند بال ہے، شاہینِ اَوجِ فکر ہے تُو
مِلے تو کیسے ملے مجھ کو آشیانہ تِرا

نظر نظر میں یہ خلقِ جدید کا عالم
یہ مرگ و زیست یہ رہ رہ کے مُسکرانا تِرا

تُو شیرِ بیشہ، فلاطوں ہے گوسفندِ قدیم
عمل جو ہو بھی تو کیونکر ہو راہبانہ تِرا

حیات جہدِ مسلسل ہے اور کچھ بھی نہیں
خوشا یہ درس، یہ درسِ مجاہدانہ تِرا

وہ تو کہ دیدۂ بینائے قوم جس کو کہیں
خوشا یہ فکر و طریقِ پیمبرانہ تِرا

یہ سینہ تابئ صدیق رضؓ و ہیبتِ فاروق رضؓ
یہ بُوترابی ؑ و اسبابِ بُوذرانہ رضؓ تِرا

دلِ کلیم و یقینِ خلیل و صدقِ حسین ؑ
یہ برگ و ساز یہ رختِ مسافرانہ تِرا

تو رندِ مستِ مئے لاالٰہ تری شراب
یہی غذا ہے یہی مَے ہے آب و دانہ ترا

ہزار فلسفیوں سے جو راز حل نہ ہُوا
وہ راز کھول گیا حرفِ محرمانہ ترا

یہ تیرا حُسنِ بیاں تیرا آفریدہ ہے
دیارِ شعر میں بجتا ہے شادیانہ ترا

ترے کلام کا فیضِ مدام جاری ہے
بھرا بھرا ہے مگر لُٹ کے بھی خزانہ ترا

سخن سخن ترا نشتر کدہ ہے دل کے لئے
بنا ہے چارۂ دل قولِ ناصحانہ ترا

بہ فیضِ تربیتِ بحر تری ہری، رومی
سخن بہ نظم و غزل بحرِ بیکرانہ ترا

غنی و بیدل و غالب سے تیرا یارانہ
نہ ہے نظیری و عرفی سے دوستانہ ترا

نہ آج شیخ و ہمایوں و میر و ناظر ہیں
کہاں وہ دوست گرامی سا اب یگانہ ترا

کہاں یہ طالعِ مسعود پھر ملے مسعود
کہاں وہ گوہرِ شہوار شاہگانہ ترا

نہ آج سالک و تاثیر ہیں نہ حسرت ہے
سلوک جن سے رہا بس کہ دوستانہ ترا

بتا سُنائے مجھے کون اب تری باتیں؟
نہیں کہ دیکھنے والا کوئی رہا نہ ترا

وہ شیرہ خانۂ کشمیر کی شراب کہاں؟
سُنا کہ لُٹ گیا ساقی شراب خانہ ترا

خدا دراز کرے عمر اپنے صوفی کی
یہ ایک شمع سُناتی ہے جو فسانہ ترا

حضورِ حق سے جو فرصت ملے تو آ کر سُن
یہ رند کرتے ہیں کیا ذکر غائبانہ ترا

نکل کے دیکھ تو اک بار شاہی مسجد سے
ہے مہر و مہ کی طرف کارواں روانہ ترا

ہمارے ناز اُٹھاتے ہیں تاجدارِ جہاں
خوش آ گیا ہے طریقِ قلندرانہ ترا

ہے تیرے خواب کی تعبیر ارضِ پاکستان
یہ نقش تیرا ہے یہ نقشِ جاودانہ ترا

ہمارا توسنِ اقبال ہے فلک پیما
ہمارے ہاتھ میں ہے آج تازیانہ ترا

یہ سیلِ نور، یہ طوفانِ رنگ و رقصِ بہار
لبِ حیات پہ آنے لگا ترانہ ترا

سلام شاعرِ آفاق و شاعرِ ابدی
محیط سارے زمانوں پہ ہے زمانہ ترا

نکل کے جائے کہاں تیری بزم سے طاہر
یہ ایک سر جسے کافی ہے آستانہ ترا

جگن ناتھ آزاد

اقبال

اقبال اے جہانِ معانی کے تاجدار
اے رُومی و ثنائی و غالب کی یادگار
معنی کو تجھ پہ فخر، تخیّل کو تجھ پہ ناز
نازاں تھا تجھ پہ مشرق و مغرب کا ہر دیار
آتش کا سوز، گُل کی مہک برق کی تڑپ
سو جاں سے ہو گئے ترے تخیُل پر نثار
تُو نے سخن کو زندۂ جاوید کر دیا
تیرے نفس نے دی چمنِ شعر کو بہار
دو گز زمین، آہ، تجھے راس آ گئی
شہرت پہ تیری تنگ تھا دامانِ روزگار

گو زیرِ خاک کالبدِ خاک آ گیا
تو رُوح بن کے عالمِ جاں میں سما گیا

●

جمیل ملک

اقبال

وطن کے شاعرِ بیباک گلفشاں مطرب
حیات اب بھی ترے گیت گنگناتی ہے
تری نوا میں ہے وہ حدّتِ یقین و عمل
کہ جس سے عظمتِ انساں کی آنچ آتی ہے

وہ جس کی اکبر و حالی نے ابتدا کی تھی
اُسی پیام کو تُو نے حیاتِ نو دے دی
سخن کی آگ کو سوزِ خودی سے دہکا کر
ادب پہ چھائی ہوئی ظلمتوں کی ضَو دے دی

بدلتے وقت کی قدروں کو تُو نے پہچانا
ستم شعار فرنگی کا سحر توڑ دیا
غلام قوم کا رشتہ بڑے خلوص کے ساتھ
نئے سماج نئی زندگی سے جوڑ دیا

تو آج ہم میں نہیں ہے مگر مفکّرِ زیست
ترا خلوص، ترا سوز مر نہیں سکتا
ہزار بادِ مخالف چلے مگر کوئی،
تری پکار کو مغلوب کر نہیں سکتا

یہ سلسلہ یُونہی جاری رہے گا تابہ ابد
نیا جہان نئے اقبال لے کے آئے گا
دراز کارِ جہاں ہے طویل راہِ عمل
شعور چاند ستاروں کی تھاہ پائے گا

چاند نرائن چاند

اقبال

نے ترا مضراب ہے باقی نہ تیرا ساز ہے
گونجتی اب تک فضائے دہر میں آواز ہے

بعد تیرے آج بھی لُٹتا ہے مے خانہ ترا
تو نہیں باقی مگر رقصاں ہے پیمانہ ترا

سینکڑوں دل ہیں ترے سوزِ سخن کے خوشہ چیں
سینکڑوں دل ہیں کہ تو نے جن میں پھونکا ہے یقیں

حُسنِ فطرت کو دوبالا کر گیا تیرا ہنر،
شق کرے گا قلبِ گیتی حشر تک تیرا اثر

گلستانِ شاعری کا وہ گلِ رعنا تھا تو
ہے معطّر جس کی بو سے یہ جہانِ کاخ و کو

شاعری کی مزرعِ زرخیز کا حاصل ہے تو
شاعرانِ نکتہ آرا کی نئی منزل ہے تو

تو نے بندوں کو دیا اقبال پیغامِ خودی
زندگی کو بھی سکھائی تو نے رمزِ زندگی

حافظ بشیر آزاد

فکرِ اقبال

وہ تھا حیات کے گیسو سنوارنے والا
قلم سے عظمتِ فن کو نکھارنے والا

پھر اُس کے بعد نہ پیدا ہوا یہاں کوئی
قلم کی نوک سے جذبے اُبھارنے والا

زمانہ اِس لئے اس کو صدائیں دیتا ہے
کہ تھا وہ خود بھی جہاں کو پکارنے والا

بچھڑ کے قوم سے سیلِ فنا میں ڈوب گیا
وجودِ سنگ میں شیشے اُتارنے والا

نبیؐ کی یاد کے سائے میں زندگی اپنی
تھا میرا "شاعرِ مشرق" گزارنے والا

وطن کو دے کے تصور وہ اک حقیقت کا
بتا گیا ہے ہمیں راستہ طریقت کا

حافظ لدھیانوی

اقبال

وہ ایک پھول تھا جس کی لطیف خوشبو سے
مشامِ جاں ہے معطّر نفس نفس تازہ
سُنا گیا وہ ہمیں مژدۂ بہار افروز
کرے گا کون بصیرت کا اُس کی اندازہ

وہ ایک نور تھا تاریکی و جہالت میں
دل و دماغ کو جو کر گیا درخشندہ
خیال و فکر میں وہ اب بھی جگمگاتا ہے
مثالِ ماہ رہے گا وہ ہم میں تابندہ

وہ ایک رنگ تھا جو زینتِ گلستاں ہے
اُسی کے پرتوِ رنگیں سے ہے چمن آباد
بہارِ نَو میں حسیں پھول مسکراتے ہیں
اُسی کے رنگ سے ہے گلشنِ وطن آباد

وہ اک فقیر تھا جس کی صدائے دلکش سے
ملی ہے دولتِ خود بینی و سحر خیزی
غلط تھا اس کی نگاہِ بلند کے آگے
شکوہ و سطوتِ دارا غرورِ چنگیزی

حکیمِ امّت و دانندۂ رموزِ حیات
وہ جس کی چشمِ بصیرت تھی محرمِ اسرار
اُٹھا گیا وہ حجاباتِ جلوۂ معنی
دلوں کو چِیر گئی اُس کی شوخیٔ گفتار

وہ نغمہ گر تھا کہ جس کی نوائے رنگیں سے
ہوئی ہے زندگی کرنے کی ہم میں خُو پیدا
وہ ایک جھونکا نسیمِ سحر کا تھا جس سے
ہے شاخ شاخ میں صد قوتِ نمُو پیدا

وہ حرّیت کی سحر کا تھا مطلعِ اوّل
وہ علم و فن کا اُجالا وہ آگہی کا چراغ
دلوں میں عزم و یقیں کی جلا گیا شمعیں
وہ جس کو مل نہ سکا دردِ زندگی سے فراغ

وہ آستانۂ ختمِ رُسلؐ کا مردِ غیور
تمام فیض اُسی ایک بارگاہ کا تھا
نظر پڑی نہ کبھی آستانِ باطل پر
چراغ سینے میں تابندہ لاالٰہ کا تھا

متاعِ سوز سے پُرنور اُس کا سینہ تھا
گداز عشقِ محمدؐ سے قلب تھا اُس کا
"اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست"
یہی تھا مرکزِ افکار و منتہائے سخن

وہ ایک پھُول تھا مہکا گیا چمن سارا
اُس ایک فرد کا ممنون ہے وطن سارا

حامدؔ علی خاں

محمد اقبال

فنا پر خندہ زن اقبالؔ، عالی گوہری تیری
کہ ہے صورت نما اللہ کی صورت گری تیری
لرز جاتا ہے جذبِ عشقِ حق سے عرش کا پایہ
ہٹاتی ہے پرِ جبریل کو بھی بے پری تیری
انا الحق گو ہے عشقِ حق میں بندوں کی خود آگاہی
بناتی ہے خدا، انسان کو صنعت گری تیری
سکھائے چیونٹی کو تُو نے آدابِ سلیمانی
گدا ہو خسروی جس کی، وہ دولت بے زری تیری
رسول اللہ کے پیغام کی تفسیر کی تُو نے
چلی ختم الرسلؐ کے بعد بھی پیغمبری تیری

یہ فوق الخلق تخلیق اور یہ صد جلوہ پیرائی
مسلّم ہے جہانِ شاعری میں داوری تیری

●

حبیب بدایونی

نذرانۂ عقیدت

اے زعیمِ ایشیا اے مومنِ دانائے راز
عاشقِ ذاتِ نبیؐ پروانۂ شمعِ حجاز!

قوم کا محبوب تھا تُو قوم تھی تجھ کو عزیز
قائدِ اعظم کو بھی تجھ پر رہا صد فخر و ناز

تُو نے مردہ قوم میں اک رُوحِ تازہ پھونک دی
ہے بجا تجھ کو کہا جائے مسیحائے مجاز

خدمتِ قومی رہا تیرا ہمیشہ سے شعار
فطرتِ عالی سے تیری دُور تھا ہر حرص و آز

تُو ہجومِ تیرگی میں گوہرِ شب تاب تھا
تو عروجِ مسندِ افلاک پر تھا سرفراز

تیری فکرِ نکتہ رس دُنیا کو پیغامِ سروش
تُو سراپا شعر و نغمہ تُو مجسّم سوز و ساز

شاعری تیری تھی ملّت کے لیے بانگِ درا
کھل گئی جس سے زمانہ کی نگاہِ امتیاز

تیری ہیبت کفر کے سر پر تھی اک ضربِ کلیم
لے گیا شاہیں سے بازی رن میں تیرا شاہباز

سایہ افگن تُو رہا مانندِ بالِ جبرئیل
دسترس میں تیری ہند و مصر و ایران و حجاز

غلبۂ افرنگ کو تُو نے کہا جادوگری
تُو نے بتلایا کہ باطل ہے غلامی کی نماز

تو نے دنیا کو سکھائے شہریاری کے طریق
تو نے ہر محمود کو سمجھائے آدابِ ایاز

تیری خدمت کو یہ ملّت بھول سکتی ہی نہیں
تیرے احسانوں کے ٹھکرانے کا ہے کوئی جواز؟

اب دُعا ہے صدقِ دل سے پیشِ درگاہِ اللہ
مستجاب اس کو کرے گا وہ خدائے بے نیاز

پھولتا پھلتا رہے اپنا گلستانِ وطن
ہر بلندی اس کو حاصل ہو بہ لُطفِ کارساز

جنت الفردوس میں اقبال ہوں مسند نشین
مغفرت فرمائے ان کی خالقِ بندہ نواز

شاعرِ مشرق جناں میں ہوں جہاں محوِ خرام
ان کو حاصل ہو جوارِ رحمتِ خیر الانامؐ

حزیںؔ لدھیانوی

اقبال کا پیغام

انصاف کی زنجیر ہلاتا رہا اقبالؔ
سوئے ہوئے انساں کو جگاتا رہا اقبالؔ

اندھیر مچا، دیپ بجھے، گرتے رہے پیڑ
طوفاں میں چراغ اپنا جلاتا رہا اقبالؔ

یزداں سے ہُوا دست و گریباں سرِ محشر
انساں کی توقیر بڑھاتا رہا اقبالؔ

ہر پھول کو دیتا رہا خونِ جگر اپنا
گلشن کی ہر اک شاخ کو گلریز بنایا

کیوں کھیت کے جوبن پہ ہے زردار کا قبضہ
ہر رنگ سے دہقان کو یہ راز بتایا

زردار کی چالوں کے کڑے جال کو توڑا
پستے ہوئے مزدور کو نغموں سے جگایا!

کرتا رہا وہ چاک قبا شیخِ حرم کی
سیتا رہا انسان کا پیراہنِ صد چاک

کہتا رہا صدیوں سے جو پامالِ ستم ہے
آجائیں گے اُس خاک کی زد میں کبھی افلاک

قدرت سے جو انساں کے رگ و پے میں رواں ہے
اُس کا سخنِ گرم ہے اُس زہر کا تریاق

جو شعر ہے اُس کا وہ اندھیروں میں ضیا ہے
جو نغمہ پُر درد ہے، وہ بانگِ درا ہے

حسرت کاظمی

علامہ اقبال کے حضور

وُسعتِ وقت کے خوابیدہ شبستانوں میں
ہوتا جاتا تھا گراں روح پہ خود اپنا وجود
اپنے مرکز سے بہت دُور تھی اپنی تہذیب
وہ الم خیز اُداسی ! وہ تعطّل ! وہ جمود !

بے حسی تھی کہ رگ و پے میں گھُلی جاتی تھی
ہر نفس مُوردِ الزام ہوُا جاتا تھا
گردنیں طوق سے مانوس تھیں ! زنجیر سے پاؤں
سازِ دل سوزِ غمِ انجام ہوُا جاتا تھا

وقت کے بحر میں تھی شعلہ بداماں ہر موج
اور با ایں سایۂ غم ! ایک زمانہ خوش تھا
خود فراموشیٔ افراد کی تھی جلوہ گری
اور افکار کی پرواز تھی زنجیر بہ پا

دیکھتے دیکھتے خورشید نمودار ہوا!
جگمگا اُٹھا ہر اک ذرّۂ گلزارِ وطن
اُفقِ زیست سے ضوٗ پاشیٔ افکار ہوئی!
رُوحِ بیداری سے جھوم اُٹھا ہر اک نخلِ چمن

کون خورشید؟ وہ پیغامبرِ سرِّ حیات
شاعرِ بے بدل و نکتہ رس و نکتہ شناس!
جس کے اقبالِ تخیّل کا کرشمہ یہ چمن
نقشۂ امن و سکوں بن گیا جس کا احساس

ہاں وہ خورشید جو تھا حاملِ تفسیرِ خودی
واقفِ رازِ خود آگاہی و تحریکِ طلب
قوم کا محسنِ اعظم! وہ مفکّرِ اقبال
ہے سمن زارِ وطن جس کے تخیّل کا سبب

حسن اختر جلیل

فیضانِ اقبال

خودی کا سِرِّ نہاں آشکار اُس نے کیا
گلوں کو محرمِ کیفِ بہار اُس نے کیا

یہ دل جو مُردہ تھا یہ جاں جو نیم جاں تھی اُسے
جمالِ زیست کا آئینہ دار اُس نے کیا

قلم کو اُس کے ہُنر نے بنا دیا شمشیر
سخن کو سوزِ جگر سے شرار اُس نے کیا

ہمارے خفتہ نصیبوں کو کر گیا بیدار
ہماری تشنہ اُمنگوں سے پیار اُس نے کیا

غبارِ راہ کو دے کر شعورِ خود نگری!
حریفِ دبدبۂ کوہسار اُس نے کیا

ہمیں خود اپنی انا کا سُراغ اُس سے مِلا
ہمیں رقیب کی آنکھوں کا خار اُس نے کیا

خدا کی ذات کا عرفاں پیمبروں نے دیا
مگر مقامِ بشر آشکار اُس نے کیا

حسین سحر

شاعرِ مشرق

شاعرِ مشرق یہ اعزاز فقط ہے تیرا
تُو نے اِک ارضِ خداداد کا سپنا دیکھا
تیرا ہر نقشِ قدم راہنمائے منزل
کارواں کے لئے پیغام ترا بانگِ درا
سرد ذہنوں کو ملی سعی و عمل کی گرمی
بزمِ آفاق میں جب تُو ہُوا سرگرمِ نوا
تیرے شعروں پہ حکیموں کے مقالات نثار
شعر و حکمت ہیں ترے سازِ سخن میں یکجا
تُو ہے پیغامبرِ رمزِ خودی دُنیا میں
رُومی و سعدی و عطّار کا تو ہم پایہ
مردِ درویش ہے تُو، مردِ قلندر تُو ہے
تیری گُفتار میں کردار میں اِک جوشِ انا
تیرے افکار کی وُسعت کا ٹھکانہ کیا ہے؟
تیرے افکار کی وُسعت میں ہیں گُم ارض و سما
پَرِ جبریل سے آگے تری پروازِ خیال
واقفِ رازِ حقیقت ہے تری فکرِ رسا

تیرے افکار بھی زندہ ہیں ترے نام کے ساتھ
تیرے اقبال کی شاہد ہے تری رُوحِ بقا

حفیظ تائب

شاعرِ مشرق

تو سینۂ مشرق کی صدا شاعرِ مشرق
تو دیدۂ ملّت کی ضیا شاعرِ مشرق

تو بادۂ آزادیٔ افکار کا ساقی
تو بربطِ فطرت کی نوا شاعرِ مشرق

گرماتی ہے سینوں کو تری گرمیٔ افکار
تڑپاتی ہے ہر تیری ادا شاعرِ مشرق

آواز تری سب سے الگ رہبرِ ملّت
انداز ترے سب سے جُدا شاعرِ مشرق

مشرق ترے نغموں سے ہے معمور و منوّر
مغرب ترے گیتوں پہ فدا شاعرِ مشرق

ہو گا ابھی چرچا ترے پیغام کا کچھ اور
چمکے گا ابھی نام ترا شاعرِ مشرق

حفیظ سحابی

علامہ اقبال کی خدمت میں

حاملِ رنگیں تخیّل، شاعرِ شیریں کلام
مخزنِ افکارِ نو، زرّیں رقم، قلبِ عوام

یعنی اقبالِ سخنور رہبرِ راہِ حیات
جس کی ہستی سے کھلے اسرارِ روحِ صبح و شام

جس کی اسرارِ خودی میں منکشف ہے زندگی
جس کا اندازِ بیاں انسانیّت کا ہے پیام

درد کا درماں ہے جو اقوامِ عالم کے لئے
شاعری ہے جس کی تسکینِ قلوبِ خاص و عام

زندگی جس کی رہی مصروفِ جنگِ حرّیت
شاعری میں جس کی ہے ڈوبا ہوا کربِ عوام

عظمتِ انسانیّت روحِ روانِ زندگی
جس کی تفسیرِ خودی ہے مشعلِ راہ و مقام

دل تھا اس کا یا شرابِ معرفت کا تھا سبو
خلوت و جلوت نشیناں نے بھرے مینا و جام

تم سحابی کارہا مے لے کے اس در پہ چلو
کون ہے اس دور میں جو رہ گیا ہو تشنہ کام

حفیظ ہوشیارپوری

اقبال

سنائی اس طرح عہدِ کہن کی داستاں تو نے
کہ پیدا کر دیا اک تازہ و روشن جہاں تو نے

حرم میں جاگ اُٹھا شیخِ حرم بھی خوابِ غفلت سے
بہ آہنگِ خودی جب بُتکدے میں دی اذاں تو نے

صدا اُٹھی ترے دل سے "حدی را تیز تر می خواں"
جو پایا مثلِ عرفی بارِ محمل کو گراں تو نے

تصوّر میں ترے زُلفِ عروسِ نو بہار آئی
چمن میں جب کہیں اُٹھتا ہوا دیکھا دُھواں تو نے

بلندی کی طلب باقی، پہنچ کر ہر بلندی پر
نگاہِ شوق کو پہنچا دیا جانے کہاں تو نے

جہاں دیکھو غمِ انساں، غمِ جاناں پہ چھایا ہے
زبانِ عشق کو بخشا وہ اندازِ بیاں تو نے

گدازِ آرزو بخشا خرد کی خام کاری کو
عطا کی عقل کو عشق و محبّت کی زباں تو نے

سکھایا عشق کو انداز جینے اور مرنے کا
بنایا زندگی کو برتر از سود و زیاں تو نے

فروغِ کہکشاں کو ناز ہے جن کی جبینوں پر
بہ تلقینِ خودی پیدا کیے وہ نوجواں تو نے

انھیں کے زورِ بازو سے ہے اب گردش زمانے کی
بدل کر رکھ دیا آخر مزاجِ آسماں تو نے

خاطر غزنوی

برہمن زادۂ رمز آشنا کے حضور

خرد نے تجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ
جنوں نے بخشا تجھے جذبۂ صمیمانہ
تری اداؤں میں اک شان تھی ملوکانہ
ترے مزاج میں تھی تمکنت فقیرانہ
تری نوا میں تھیں ذوقِ خودی کی تنویریں
تری صدا میں تھا حسنِ طلب کلیمانہ
کمالِ فن ترا کچھ حرف و صوت ہی میں نہ تھا
نہاں تھا فکرِ رسا میں بھی اک پری خانہ
ترا پیامِ خودی تھا خودی عروج صفا
ترے پیام سے ملت مگر ہے بیگانہ
تھی تیرے آئینۂ فکر میں جلائے وفا
تو جرأتیں ترے اظہار کی تھیں رندانہ
تو برہمن تھا مگر تو نے توڑے لات و منات
میں غزنوی ہوں مگر میرا دل ہے بت خانہ

خالد بزمی

اقبال

جبینِ پُرمتانت سے اُجاگر اُس کی عظمت تھی
اور اُس کے دم سے دُنیائے ادب کی زیب و زینت تھی
چمن زارِ ادب میں اک گُلِ رنگیں قبا، تھا وہ

ادب کے باغ میں اُس نے کئی غنچے کھلائے ہیں
اور اُس کی مسکراہٹ سے کئی گُل مُسکرائے ہیں
گلستانِ ادب کے واسطے بادِ صبا، تھا وہ

کہاں وہ طرزِ لاثانی کہاں وہ فکرِ لاثانی
کہ اس میدان میں آساں نہیں اُس کا کوئی ثانی
گلستانِ سخن کا بُلبلِ شیریں نوا تھا وہ

حقیقت میں وہ جانِ محفل و روحِ گلستاں تھا
جہاں تاریکیاں تھیں اُن میں وہ شمعِ فروزاں تھا
مسلماں قوم میں اک رہبرِ درد آشنا تھا وہ

نہ اب محفل میں وہ رونق نہ وہ رنگینیاں باقی
نہ وہ صہبا نہ وہ ساغر، نہ وہ مینا نہ وہ ساقی
ادب کے میکدے میں میکشِ رونق فزا تھا وہ

رہے گا اُس کی علمی خدمتوں کا تذکرہ اکثر
قیامت تک کرے گی ناز تاریخِ ادب اُس پر
کہ تاریخِ ادب میں اک متاعِ بے بہا، تھا وہ

کہاں اقبال سا صاحب دل و صاحب نظر پیدا
"بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا"
مسلماں قوم کا ہمدرد و مخلص رہنما تھا وہ

خالد نظامی

بحضورِ اقبال

اے نقیبِ آگہی اے قصرِ حکمت کے ستوں
رونقِ بزمِ تخیّل، رہروِ راہِ جنوں

تجھ سے تھی قائم بہارِ محفلِ شعر و سخن
مِٹ نہیں سکتا تِری معجز بیانی کا فسوں

تُو شناسائے رموزِ فطرتِ حُسنِ ازل
تُو امینِ سرِّ وحدت محرمِ رازِ دروں

فکر سے تیری مِلی قلب و نظر کو زندگی
تُو نے بخشا نطق کو اعجازِ معنیٰ کا فسوں

کیوں نہ دُنیا سوگ میں تیرے رہے ماتم کُناں
کیوں نہ ٹپکے دیدۂ شاعر سے اشکِ لالہ گُوں

"سال ہا در کعبہ و بُت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ شوق یک دانائے راز آید بروں"

خاور درّانی

اقبال

گلشنِ اسلام کے اے بلبلِ رنگیں نوا
ترے نغموں سے ہوئی معمور عالم کی فضا

فلسفے کو دے کے تو نے شاعری کا آب و رنگ
فلسفی کو محوِ حیرت کر دیا شاعر کو دنگ

فکر نے تیرے کئے وا عقدہ ہائے کائنات
کر دیا تو نے بشر کو محرمِ رازِ حیات

خود فراموشوں کو دے کر تو نے احساسِ خودی
زندگی کی ایک تازہ روح ان میں پھونک دی

سعیٔ پیہم اور عزائم کا دکھا کر انہماک
کر دیا تدبیر سے تقدیر کے پردوں کو چاک

کارواں کو جب دلایا تو نے احساسِ زیاں
گمرہوں نے پا لیا گم گشتہ منزل کا نشاں

مردِ مومن کے تصوّر میں ہے وہ روحِ ثبات
نطشے کے مردِ کامل نے بھی کھائی جس سے مات

ہے ترا ہر مصرع و ہر شعر پیغامِ عمل
محفلِ ہستی میں آیا لے کے تو جامِ عمل

اس لئے پیغام تیرا موجبِ توقیر ہے
شعر کے پردے میں یہ قرآن کی تفسیر ہے

تیرے ہی تخیّل کی تصویر پاکستان ہے
قوم پر اپنی یہ تیرا آخری احسان ہے

●

خاور لدھیانوی

علامہ اقبال

ایک موجِ تند جولاں ناشکیب و ناصبور
جس کی جوشش، جُو بہ جُو دریا بہ دریا یم بہ یم

دشت و گلشن سے گزرتی صورتِ موجِ نسیم
آب و گل کو بخشتی سوز و سُرورِ دم بہ دم

ساحلِ اوہام کے دامِ کہن کو چیرتی
بحرِ حق میں ڈوب کر اُبھری مثالِ لعلِ ناب

محفلِ ذرّات سے بزمِ مہ و پرویں تک
زندگی کے عارضِ افسردہ پر لائی شباب

نغمۂ عشق و وفا گاتی خودی کے ساز پر
بے خودی کو آگہی سے آشنا کرتی ہوئی

راہِ ہستی میں جلاکر علم و حکمت کے چراغ
عشق کے دیوانہ پن کو رہنما کرتی ہوئی

مستیٔ صبحِ ازل میں گنگناتی جھومتی
میکدے کے پاس سے گزری تو نغمہ بن گئی

منزلِ عرفاں کی جانب صورتِ شبنم رواں
راستے میں تبکدہ آیا تو شعلہ بن گئی

محفلِ رنداں ہو یا بزمِ عروسانِ بہار
یعنی جس محفل میں پہنچی بزم کا دل بن گئی

خود تو بحرِ بیکراں میں بیکراں ہو کے رہی
اور ہر چشمِ تماشائی کا ساحل بن گئی

حسن کے دل میں جگاکر بزم آرائی کا شوق
بے حجابی کے لئے ساماں فراہم کر دیا

سوزِ مشتاقی سے قلب و جاں کو گرماتی ہوئی
بارگاہِ عشق میں پہنچی تو سر خم کر دیا

تُند جولاں موج کیا تھی اک دلِ بیتاب تھا
وہ دلِ بے تاب جو رمزِ خودی کو پا گیا

وہ دلِ بے تاب جو عشق و وفا کی جان تھا
وہ دلِ بے تاب جو اقبالؔ کو خوش آگیا

وہ دلِ بے تاب جس کی آنچ میں سوزِ ازل
وہ دلِ بے تاب جس کے سوز میں نورِ ابد
وہ دلِ بے تاب جس سے فرش کا سینہ گداز
وہ دلِ بے تاب جس کی عرش پر پڑتی ہے زد

خلیل بدایونی

اقبال

سسکتے قالبِ مُسلم میں ڈالی پھر سے جاں اُس نے
نہ دیکھا تھا جو آنکھوں نے دکھایا وہ سماں اُس نے

خودی کا درس دے کر اُس نے بیخود کر دیا سب کو
چھُپے تھے راز جو اب تک کئے وہ سب عیاں اُس نے

فسوں تھا، سحر تھا، اعجاز تھا، گویا کلام اُس کا
زمینِ شعر کو یکسر بنایا آسماں اُس نے

سخن سنج و سخن فہم و سخندان و سخنور تھا
محمدؐ کا فدائی شاعرِ دینِ پیمبر تھا

خمار انصاری

شاعرِ مشرق

ترے افکار میں انسانیت کی ترجمانی ہے
ترے الفاظ میں حسنِ شعارِ زندگانی ہے
ترے طرزِ سخن کو کیا کہوں جادو بیانی ہے
مرے مطرب! ترا نغمہ سرودِ جاودانی ہے

ترا کیفِ نوا الہام ہی الہام ہے گویا
تری آواز روح القدس کا پیغام ہے گویا

بلا کی دلکشی ہے تیرے فردوسی ترانوں میں
بڑی تابندگی ہے تیرے تخلیقی خزانوں میں
فلک کے چاند تارے بھی ہیں تیرے رازدانوں میں
ہر اک نظارۂ فطرت ہے تیرے ہمزبانوں میں

ترا لہجہ نشاطِ روح کا احساس دیتا ہے
ترا جذبِ دروں نبضِ مشیّت جانچ لیتا ہے

ترے نغموں نے مُردہ آرزو میں روح دوڑائی
تری بیداریوں نے مشعلِ ادراک دکھلائی
حیاتِ بے نمو نے دولتِ فکر و نظر پائی
ہماری قوم کی سوئی ہوئی قوت ابھر آئی

جہاں سے حوصلہ پایا وہ تیرا آستانہ ہے
تری آواز غفلت کے لئے اک تازیانہ ہے

تری سعیِ مسلسل نے لہو مسلم کا گرمایا
نظر ممنون ہے تو مژدۂ آثارِ نو لایا
دلوں کو مل گیا ایمان و آگاہی کا سرمایا
افق پر روشنی ظاہر ہوئی سورج نکل آیا

اُجالے یوں بڑھے ایسی ہوئی جلووں کی تابانی
خدا شاہد کہ روشن ہو گئی ملت کی پیشانی

تری دنیا میں پاکیزہ بہاریں مسکراتی ہیں
تری صبحیں تری شامیں مقدس گیت گاتی ہیں
تری دلداریاں انساں کی ہمت بڑھاتی ہیں
تری باتیں اندھیری رات میں شمعیں جلاتی ہیں

تری للکار نے خفتہ مقدر کو جھنجوڑا ہے
تری شعلہ نوائی نے طلسمِ خواب توڑا ہے

ترے مضمون میں رومی و رازی کی گل افشانی
تری تخلیق ہے یا شاہکارِ صنعتِ مانی
تری تصنیف میں رقصاں ہے موجِ کیفِ روحانی
یہ تیرے شعر، یہ دانشوری، یہ فلسفہ دانی

جہاں واقف ہے علم و فضل کا تو ماہ پارا ہے
ادب کے آسماں کا ایک رخشندہ ستارا ہے

سمندر بن گیا تیری بدولت قطرۂ شبنم
مسلمانوں کا مستقبل ہے تیری کاوشِ پیہم
ابھی تک کہہ رہا ہے اہلِ عالم سے ترا پرچم
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم

تری ہستی نے مردہ قوم کو جینا سکھایا ہے
ترا احساں ہے سرِ خودی تو نے بتایا ہے

تری رنگینیاں جب فکر کے سانچے میں ڈھلتی ہیں
تو اندازِ بیاں سے نور کی دھاریں نکلتی ہیں
ہر اک مصرعہ میں جوئے شیر کی لہریں مچلتی ہیں
مسلسل کوثر و تسنیم کی موجیں ابلتی ہیں

تخیل کی ہم آہنگی ترنم کی فراوانی!
کہ جیسے آگئی ہو شعر کے دریا میں طغیانی!

وہ عالم جھومتے ہیں تیرے سازِ والہانہ پر
جہاں اب تک ہے حیراں تیرے اندازِ یگانہ پر
فقیری ہنس رہی ہے تیری اعزازِ شہانہ پر
ترا نقشِ ادب ہے مرتسم لوحِ زمانہ پر

پیامِ صبحِ تازہ می دہد حسنِ بیانِ تو
حیاتِ جاوداں دارد بہارِ بوستانِ تو

خورشید ایلچپوری

شاعرِ مشرق

اے متاعِ جذبۂ بے باک کے آئینہ دار
بخش دی تُو نے خزاں دیدہ گلستاں کو بہار
منتشر شیرازۂ ملت کو یکجا کر دیا
تُو نے احساسِ فسردہ کو شگفتہ کر دیا
تیرے نغموں میں عمل کی رُوح ڈھل کر رہ گئی
زندگی شوریدہ راہوں میں سنبھل کر رہ گئی
تُو نے انساں کو دیا درسِ شعارِ زندگی
تیرے نغموں سے ہوئی رقصاں بہارِ زندگی
تو مسیحا بن کے آیا ملّتِ بیمار میں
تیرے نغموں سے سکوں پہنچا ہر اک آزار میں
زندگانی پا گیا ہر طائرِ بے بال و پر
لے کے آ پہنچا گلستاں میں قفس کو دوش پر
عہدِ ماضی کے فسانے طرزِ نو میں ڈھل گئے
اور چراغ اُمید کے تاریکیوں میں جل گئے
سعیٔ پیہم نے تری بخشی گلستاں کو بہار
کر دیا مُردہ دلوں کو زندگی سے ہمکنار

تیرے ہی فکرِ رسا کی دل نشیں تصویر ہے
ارضِ پاکستان تیرے خواب کی تعبیر ہے

خورشید رضوی

اقبال

سوچتی آنکھوں پہ اُبھری ہوئی تابندہ جبیں
بے یقینی کے سمندر میں ہے مینارِ یقیں
مظہرِ حُسنِ صلابت وہ توانا چہرہ
جس کا آہن سے ہے ترشا ہوا ہر نقشِ متیں
اور وہ شانے کہ ہیں درویش صفت غرقِ گلیم
جیسے کُہسار کوئی غرقِ جلال و تمکیں
صورتِ بادِ صبا مشرق و مغرب کا رفیق
صفتِ کوہِ گراں اپنی ہی دُنیا کا مکیں
آج بھی سایۂ مسجد میں ترا سنگِ مزار
اہلِ بنیش کے لئے ہے یدِ بیضائے مُبیں
خاک افسردہ تری قوم مگر تیرا شرر
یخِ امروز میں ہے شعلۂ فردا کا امیں

میں وہ محروم کہ پایا نہ زمانہ تیرا
تو وہ خوش بخت کہ جو میرے زمانے میں نہیں

●

خورشید ضیاء

خودی کے ترجماں کو سلام

اے سراپا فکر و فن اے صاحب عالی مقام
آج تک کرتی ہے دُنیا تیری مدحت صبح و شام

تیرے فکر و فہم نے بخشا شعورِ زندگی
ہے ہدایت کا خزینہ آج بھی تیرا کلام

تیری پروازِ تخیّل، تیری سوچوں کے طفیل
نورِ آزادی سے روشن ہیں وطن کے صبح و شام

تو زمانے کے لئے عزم و عمل کا سنگِ میل
تو مسلماں کے لئے باعثِ صد احترام

مٹ رہا تھا جب زمانے سے مروّت کا چلن
تو نے بخشا ساری دُنیا کو اُخوّت کا پیام

ارضِ پاکستان تیرے خواب کی تعبیر ہے
قوم مسلم کے لئے تو نے کیا ہے ایسا کام

اے شہنشاہِ خودی اے راز دارِ آگہی
باعثِ تسکینِ قلب و جاں ہے تیرا ہر پیام

جس طرح بامِ فلک پر ہیں ستارے ضوفشاں
اس طرح روشن رہے گا اس جہاں میں تیرا نام

اے خودی کے ترجماں اقبال مند اقبال آج
پیش کرتا ہے عقیدت سے ضیا تجھ کو سلام

ذکی آذر

اقبال

اُسی ایک محرمِ راز سے کہیں رنگ ہے کہیں روشنی
یہ جو روشنی ہے یہاں وہاں
یہ جو زندگی ہے اِدھر اُدھر
یہ جو قافلہ ہے رواں دواں
یہ جو راستہ ہے سفر سفر
اُسی ایک محرمِ راز سے کہیں رنگ ہے کہیں روشنی
کہیں سوز و ساز و سُرور ہے
کہیں عقل و عشق کا نُور ہے
کہیں جُستجُو ہے سُراغ ہے
کہیں ذکرِ غیب و حُضور ہے
اُسی ایک محرمِ راز سے کہیں رنگ ہے کہیں روشنی
وہ خیال و خواب کا رازداں
وہ نگاہ و فکر کا ترجماں
وہ خضر تھا یا تھا پیام بر
ہوئی جس کے دم سے سحر عیاں
اُسی ایک محرمِ راز سے کہیں رنگ ہے کہیں روشنی

وہ جو آگ اُس کے نفس میں تھی
وہی آگ جُوئے رواں بنی
وہی آگ فکر و نظر میں ہے
وہی آگ مرکزِ جاں بنی
وہی آگ قلب و جگر میں ہے
وہی آگ پھیلی صدی صدی
اُسی ایک محرمِ راز سے کہیں رنگ ہے کہیں روشنی

●

شاعرِ ملّت کے نام

خودی کی شرح و بیاں ہے ترا کلام اقبال
حدیثِ سرِّ نہاں ہے ترا پیام اقبال

وہ اک نظام کہ روحِ روانِ عالم ہے
ترے سخن میں رواں ہے وہی نظام اقبال

نہیں ہے سدرہ نشیں تیرے فکر کا شاہیں
ترا خیالِ جواں ہے بلند بام اقبال!

جہاں نہ رومی و شامی نہ غزنوی و ایاز
وہ مومنوں کا جہاں ہے نہیں کلام اقبال

زمانہ رفتہ و مخمور و مست و بے خود ہے
خودی کا جام کہاں ہے خودی کا جام اقبال

کمندِ حرص وہ پھینکی ہے اہلِ مغرب نے
ہر ایک پیر و جواں ہے اسیرِ دام اقبال

ترے پیام سے اہلِ وطن کو کیا نسبت؟
بس ان کے وردِ زباں ہے ترا کلام اقبال

راز کاشمیری

اقبال

سینۂ ملت میں تُو دل کی طرح دھڑکا کیا
آفتابِ تازہ بن کر چار سُو چمکا کیا
تیری ہستی تھی سراپا دین و دُنیا بے گماں
دفترِ ہستی میں تُو زرّیں ورق تھا بے گماں
کاروانِ شوق کو تیری نوا بانگِ درا
غُنچۂ دل کے لیے تیری نوا بادِ صبا
مضمحل ملت کو تو نے ولولہ تازہ دیا
چہرۂ تہذیب کو اسلام کا غازہ دیا
تو مسلماں کی شبِ تاریک میں ماہِ تمام
ہے ترا پیغام شرعِ سیّدِ خیر الانام
پیکرِ نُورِ بصیرت صاحبِ حکمت ہے تُو
ملتِ اسلام کا سرمایۂ عزّت ہے تُو

●

راسخ عرفانی

اقبال

گلشنِ شعروادب میں ہے نمُو اقبال کی
ہر گُلِ شاداب چہرہ میں ہے بُو اقبال کی

لفظ و معنی کے عجب انداز سے عُقدے کُھلے
معدنِ علم و ہُنر ہے گفتگو اقبال کی

دردِ ملت میں بہاتے رات دن اشک اَلم
آنکھ رہتی تھی ہمیشہ باوضو اقبال کی

زیرِ شمشیرِ فرنگی بھی کیا اعلانِ حق
یہ جسارت یہ دلیری دیکھ تُو اقبال کی

قوم کے چاکِ گریباں کے لئے اے دوستو!
کارگر ہو کر رہی تھی رفو اقبال کی

اُس کو گُل سے عشق ہے اِس کو محبت قوم سے
بُلبُلِ شیدا سے کچھ ملتی ہے خُو اقبال کی

ہند و پاکستان و کابل پر نہیں ہے منحصر
دہر میں شہرت ہے راسخ چار سُو اقبال کی

راغب مراد آبادی

پیغمبرِ اسرارِ خودی

دانائے رموزِ آگہی تھا اقبال
آگاہِ کمالِ زندگی تھا اقبال

اقبال کے اشعار سے لے درسِ خودی
پیغمبرِ اسرارِ خودی تھا اقبال

●

اے شاعرِ مشرق اے حکیم الامّت
محتاجِ بیاں نہیں ہے تیری شہرت
ہر نکتہ شناس و دیدہ ور کے حق میں
ہیں شعر ترے روح و روانِ حکمت

●

محتاج ستائش کا نہیں کام ترا
خضرِ رہِ زندگی ہے پیغام ترا

تو جنّتِ ماویٰ میں ہے محوِ آرام
زندہ ہے بلا شبہ مگر نام ترا

راناؔ بھگوان داس بھگوان

سُخنورِ خوش نما

وہ مفکّرِ، وہ مجدّد، وہ سُخنور، خوش نوا
جس کا رمزِ شاعری ہے رمزِ احکامِ خُدا
وہ مُفسّرِ دین کے احکام کا، قرآن کا
شاعری میں جس نے دوہرایا پیامِ مصطفےٰؐ
شعر کی مُعجز نما طاقت سے جس نے قوم کو
قوتِ فکر و عمل کا اک نیا مژدہ دیا
اُس کا نغمہ لا الٰہ اُس کا ترانہ حرفِ حق
قلب پر پھر نقشِ الا اللہ قائم کر دیا
شعر سے صَیقل کیا جس نے ضمیرِ قوم کو
جوہرِ انسانیت کو خوب تاباں کر گیا
آہِ سوزاں سے یہ کس کی ؟ قوم زندہ ہو گئی
کون ہے ؟ وہ جس کا نغمہ بن گیا بانگِ درا
کس نے شعروں میں بھرا ہے سوزِ قلبِ مرتضیٰؓ ؟
کس نے مظلوموں کو بخشا عزمِ شاہِ کربلاؑ ؟
کون ہے وہ جسکا نغمہ، نغمۂ جبریلؑ ہے
شعر جس کا بن گیا ہے شرحِ فرمانِ خُدا
کون ہے، وہ جس کا نغمہ صُورِ اسرافیل ہے ؟
شعر سے جس نے دلِ مُردہ کو زندہ کر دیا

جس کے ہر ہر لفظ میں الہام جیسی شان ہے
شاہد اُس کے شعرِ عالمگیر کا بھگوان ہے

رشک ترابی

اقبال ملّت بیضا

وہ اک فقیر وہ اک فلسفی، وہ اِک شاعر
خدا نے بخشی ہے شانِ قلندری جس کو
وہ اِک غلامِ غلامانِ سرورِ عالمؐ
سلام کرتی ہے جھک کر سکندری جس کو

ملی ہے دولتِ عرفان جس کو رُومیؒ سے
خودی کا فلسفہ جس نے جہاں کو سمجھایا
خدیوِ عقل پہ محکم گرفت ہے جس کی
ہے عشقِ سیّدِ کونینؐ جس کا سرمایہ

وہ جس نے چاہا کہ ایسی ہوا چلے اِک دِن
اُڑا کے جو اسے گردِ رہِ حجاز کرے
پتے کی بات اُسی نے ہمیں یہ بتلائی
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

دِکھایا جس نے حدودِ یقین میں رکھ کر
مقامِ بندۂ خاکی ہے کس قدر افزوں
بتا رہی ہے یہ معراجِ مصطفےٰؐ جس کو
"کہ عالمِ بشریّت کی زد میں ہے گردوں"

وہ جس کی ذات ہے فرصادِ ملّتِ بیضا
وہ ایک رمز شناسِ کلامِ ربّانی!
وہ جس نے مُردہ رگ و پے میں خون دوڑایا
وہ جس نے بخشا غلاموں کو ذوقِ سلطانی

وہ جس کے عزم سے لرزاں فرنگیت کا جلال — وہ جس کے نُطق سے پانی برہمنوں کا وجُود
وہ جس کی جُنبشِ لب سے شعُور جاگ اُٹھا — وہ جس نے پسپا کئے بے یقینیوں کے جنُود

وہ جس کے خواب کی تعبیر ہے یہ ارضِ وطن — وہ جس نے قوم کو وحدت کی راہ پر ڈالا
وہ جس کی آنکھ نے قرآن سے جِلا پائی — بساطِ کُفر کو جس نے کیا تہ و بالا

وہ ایک شاعرِ حق گو، وہ رہ نوردِ حرم — نظیر پیدا نہ ہو گی ادب میں اب جس کی
وہ جس کی آنکھ لہُو ریز اور دِل گریاں — فلک کو چیر گئی آہِ نیم شب جس کی

اُسی کو کہتے ہیں اقبالِ ملّتِ بیضا — اُسی کی یاد میں ہر سمت جشن برپا ہے
سجی ہُوئی ہے ہر اک انجمن اُسی کے لئے — سخنوروں کے لبوں پر اُسی کا چرچا ہے

●

رضا علی وحشت کلکتوی

ماتم اقبال

یہ نہ کہہ اک شاعرِ ہندوستاں جاتا رہا
پیشوائے نکتہ سنجانِ جہاں جاتا رہا

باعثِ ماتم زمانے کو ہے موت اقبال کی
کارواں رویا کہ میرِ کارواں جاتا رہا

اب کہاں سے لائیگا کوئی حقیقت میں نظر
آہ! اسرارِ خودی کا رازداں جاتا رہا

آشنا بانگِ درا سے ہوگا اب کیا گوشِ قوم
مجلسِ اسلامیاں کا نوحہ خواں جاتا رہا

قصۂ ماضی ہیں تحریکِ عمل باقی نہیں
اب سنیں کیا ہم کہ لطفِ دوستاں جاتا رہا

نالۂ غم میں وہ کیفیت نہ پائی جائے گی
آج ذوقِ شیوۂ آہ و فغاں جاتا رہا

اب زبانِ خامہ پر پڑ ہی گئی مہرِ سکوت
وحشتِ رنگیں بیاں کا قدرداں جاتا رہا

رضا ہمدانی

اقبال

مہ وشانِ جنّت الفردوس حورانِ جناں
اپنے یاقوتی لبوں سے آج ہیں گوہر فشاں
آرہا ہے خُلد میں وہ شاہِ اقلیمِ سخن
شاعرِ اسلام، جانِ ایشیا فخرِ وطن
شکوے سے معمور ہے جس کا ربابِ شاعری
جس کے پرتو سے ہوئی رنگیں شرابِ شاعری
جس کے دم سے غیرتِ جنّت ہے گلزارِ خودی
کشف جس نے کر دیئے دُنیا پہ اسرارِ خودی

قُدس والے ترجمانِ حال کہتے ہیں جسے
اور زمیں پر حضرت اقبال کہتے ہیں جسے

رعنا اکبر آبادی

اقبال

شاعرِ مشرق، حکیمِ عصر، اقبالِ زماں　　آج دُنیائے ادب میں ہے ترا ثانی کہاں
تھی کلیدِ رازِ فطرت غالباً تیری زباں　　وہ دلوں پر نقش ہے جو کچھ کیا تُونے بیاں
آئی شکوے سے ترے رحمت خدا کی جوش میں
سُن کے تیری لَے زمانہ آگیا ہے ہوش میں

تُو حجازی نغمۂ ہندی لَے میں گاتا ہی رہا　　لوگ سُنتے ہی رہے اور وجد آتا ہی رہا
آگ تُو ٹھنڈی کلیجوں میں لگاتا ہی رہا　　راہ بھٹکے رہروؤں کو رہ بتاتا ہی رہا
تھا عجب درسِ عمل شامل تری آواز میں
نغمۂ اُمید تھا ہر وقت تیرے ساز میں

پر شکستہ طائروں کو تجھ سے شاہینی ملی　　سادگی کو فلسفے کی تجھ سے رنگینی ملی
کتنے بے دینوں کو تجھ سے دولتِ دینی ملی　　بے خودوں کو تیرے دم سے تابِ خود بینی ملی
پردے نظروں کے اُٹھائے ہیں ترے اشعار نے
قوم کو آگے بڑھایا ہے تری للکار نے

تو رموزِ خود شناسی کا تھا تنہا راز داں　　رازِ فطرت کھولتی تھی دم بہ دم تیری زباں
قوم کے رنج و الم کو تُو نے سمجھا بے گماں　　تُو نے سمجھایا کہ رستہ کیا ہے منزل ہے کہاں
کس قدر بیدار تھا عالم ترے وجدان کا
نیند میں بھی تُو نے دیکھا خواب پاکستان کا

عظمتِ رفتہ کا ماتم ہی ترا شیوہ نہ تھا — حال سے بھی قوم کے تو مطمئن اصلا نہ تھا
کشتِ ویراں سے مگر مایوس تو اتنا نہ تھا — تیرا ذوقِ بیکراں لبِ تشنۂ دریا نہ تھا

تو نے نم مٹی کی زرخیزی کا مطلب پا لیا
قوم کو جس ڈھب سے سمجھانا تھا وہ ڈھب پا لیا

روح بیداری میں تیری، تیرے خوابوں میں حیات — تیرے لفظوں میں تڑپ جانِ معانی تیری بات
تیرے جذبوں میں صداقت دل میں دردِ کائنات — قوم نے پایا ہے تجھ سے جادۂ عزم و ثبات

تا بہ منزل آ گئے ہیں ذوقِ استقلال سے
اب بھٹک سکتے نہیں ہیں ہم ترے اقبال سے

رفعت سلطان

اقبال

محرمِ معنیٔ کتابِ جلیل — عاشقِ وارثِ دیارِ خلیل
وسعتِ آسماں میں اِک سورج — ظلمتِ بیکراں میں اک قندیل
آبروئے سخنورانِ جہاں — ارضِ مشرق کا ایک بطلِ جلیل
طُور پر جیسے جلوۂ یزداں — ذہن پر اُس کے فکر کی تنزیل
اُس کے اشعار وجہِ عزم و عمل — اُس کا پیغام زندگی کی دلیل
خفتہ ماحول میں نوا اُس کی — جیسے محشر میں صُورِ اسرافیل
ایک فرزندِ عالمِ اسلام — جس کا ہمسر نہ کوئی جس کا عدیل
اُس کی تدبیر نے شفا بخشی — ورنہ اِک عمر سے تھی قوم علیل
حوصلے بڑھ گئے نحیفوں کے — گر پڑی نخوت و حشم کی فصیل
مثلِ خورشید سر بلند ہوئے — جو زمانے کی آنکھ میں تھے ذلیل

کوئی صاحب کوئی گدا نہ رہا
کوئی مجبور و بے نوا نہ رہا

یوں دیا درسِ زندگی اُس نے
دی اندھیروں کو روشنی اُس نے

نامِ اِسلام کا بُلند کیا
توڑ کر سحرِ سامری اُس نے

فقر شاہنشہی سے برتر ہے
دی یہ دُنیا کو آگہی اُس نے

توڑ ڈالا فسونِ افلاطوں
دے کے تعلیمِ حیدری اُس نے

جبر جس سے فروغ پاتا ہو
کی ہر اُس بات کی نفی اُس نے

ولولہ کشفِ ذات کا دے کر
ختم کی رسمِ بندگی اُس نے

بے خودوں کو بنا دیا ہُشیار
بخش کر جذبۂ خودی اُس نے

دی کبوتر کو جرأتِ شاہیں
دی غلاموں کو خواجگی اُس نے

زرد چہروں کو تازگی بخشی
دی بہاروں کو نغمگی اُس نے

فلسفی بھی، فقیر و شاعر بھی
زیست کس کس ادا سے کی اُس نے

اتنے احساں بُھلا نہیں سکتا
وقت اُس کو مٹا نہیں سکتا

●

رفیق خاور جسکانی

اے شاعروں کے شاعر

اے شاعروں کے شاعر! تو نے کہا
"تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو"
اور پھر زمانے کی رو میں سے تو ایک تازیانۂ برق کی لہروں کی مانند گزرا
تیری عظمت کا اور لازماں ہونے کا راز اس میں ہے کہ تیری آتش نفسی کی ابتدا اور انتہا ایک ہے،
تیرے سمندر کی موج دجلہ و ڈینوب و نیل
تیرے شعر ستاروں کی طرح گردش کرتے ہیں
تو نے ہوا کے راستے میں
زمانوں کی گزرگاہ میں
سُورج کی قلمرو اور بادلوں کے دیس میں
انساں کے ارادوں کے گھنے جنگل میں
ایک نئی آواز کے ساتھ اپنا پہلا گیت گایا
جیسے بارش کا پہلا قطرہ
جیسے ہوا کا تازہ جھونکا
جس میں جاگ اُٹھی تھی
"تیرے دنوں کی تپش تیری شبوں کا گداز"
ہرچند کہ بوجھل زمانوں کی گزرتی ہوئی ہر لہر
سرابِ فنا کا رزق ہے
اور عظیم بوڑھے درخت کے بدن سے
تراشی ہوئی لوحِ برگ پر
اے شاعروں کے شاعر! تو نے لکھا

"اوّل و آخر فنا، ظاہر و باطن فنا"
مگر میرے لہو کی بے قرار لہر کی سرکشی
ایک سروِ آزاد کی مانند میری مٹی کے نم وجود سے اُگ آئی
میری مٹی کا نم
میرے لہو کی لہر
میرے ارادوں کے جنگل میں سربرہنہ ہوا کا گیت بن گئے
جو اصل میں بشارت کے ایک خوش بخت زمانے کا ہمکتا مصافحہ تھا
"عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں"
مصافحے کی خوشبو سے جنگل گونج اُٹھا
ہزاروں کونپلوں کی دوئیدگی نے
ہزاروں لہروں نے بہتے پانیوں کی پاکیزگی پر
لوحِ خاک پر
یہ سبز اور سیّال فیصلہ رقم کیا — تیرے لہجے میں
ہاں اے شاعروں کے شاعر — تیرے ہی لہجے میں
"جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب"
تیری عظمت اور بزرگی اسی میں ہے کہ تیری کوئی انتہا نہیں ہے
اور تیری سیرت کا تقاضا ہے کہ
تیری غزلیں ستاروں کی طرح گردش کرتی ہیں
کہ ان کی ابتدا اور انتہا ایک ہوتی ہے
تُو شاعروں کا شاعر ہے
اور حسرت کا سرچشمہ
ہم دونوں روحانی طور پر جڑواں ہیں
اب آ اور اپنی آتش نفسی دکھا

روحی علی اصغر

پیغامبرِ خودی

گہوارۂ ادب میں پل کر شعورِ عالم! — کرتا رہا ازل سے تنظیمِ ابنِ آدم
تہذیبِ حاضرہ ہے اسلاف کی نشانی — پیتے ہیں جامِ نو میں ہم مے وہی پرانی
ماضی کے تذکرے سے دل شاد کر رہے ہیں — اقبال آج تجھ کو ہم یاد کر رہے ہیں
جلووں کو ڈھونڈتا تھا آئینہ سازِ ہستی — شاعر کے بھیس میں تھا اک چارہ سازِ ہستی
فکرِ رسا پہ تیری نازاں ہے ہوش مندی — آئی تھی تیرے حق میں اقبال کی بلندی
عرفانِ عشق سے تھی روشن تیری بصیرت — چھائی تھی دو جہاں پر تیری نظر کی وسعت
زورِ بیاں ملا تھا پیغامِ حق سنانے — سیفِ قلم ملا تھا باطل کا سر جھکانے
کھوئی ہوئی تھی منزل بھٹکے ہوئے تھے راہی — اہلِ نظر نے تجھ سے پائی ہے رہنمائی
تقلید کو گناہ ذہنی قرار دے کر — تحقیق کی نکالیں راہیں نئی سراسر
دیر و حرم کو بخشی مذہب کی پاسبانی — فکر و نظر کو سونپی تنویرِ زندگانی
تھا تیرے فلسفے کا انداز شاعرانہ — بن کر پیامِ ہستی گونجا ترا ترانہ
معراجِ آدمیت ہستی کا مدعا ہے — آئینۂ خودی کی اقبالیت جلا ہے

اقبال کے ترانے روحی سنا رہی ہے
بانگِ درا کی گویا آواز آ رہی ہے

روحی کنجاہی

تیرے دَور کا آغاز

تیرے افکار انقلابی، تیری دُنیا انقلاب
تُو تغیّر کا پیمبر، تیرا نعرہ انقلاب

تیرا موضوعِ سخن، انسانِ خاکی کا عُروج
تیرا نغمہ ارتقا، تیرا ترانہ انقلاب

روشنی تیرا قلم، رخشندگی تیرا علَم
برقِ خود سر، بہرِ نخلِ تیرہ، تیرا انقلاب

کارنامے اپنے آبا کے مرتب کر دیئے
تُو نے یکجا کر کے چھوڑا پارہ پارہ انقلاب

قمریاں کستی ہیں آوازے پُرانے ذہن پر
تُو نے برپا کر دیا گلشن میں کیسا انقلاب

"مشرق و مغرب میں تیرے دَور کا آغاز ہے"
ہر طرف سے بڑھ رہا ہے لمحہ لمحہ انقلاب

●

رئیس احمر

پیامِ شاعرِ مشرق

خرد کی گتھیاں سلجھا کے دیکھو
جنوں کی منزلوں تک جا کے دیکھو
خودی کا فلسفہ اپنا کے دیکھو

خودی رازِ حیاتِ آدمی ہے
پیامِ شاعرِ مشرق یہی ہے

ذرا اقبال کی محفل میں آؤ!
شرابِ زیست پی کر ڈوب جاؤ!
اور اُس کے بعد یہ نغمہ سناؤ

مزاجِ اہلِ پاکستاں خودی ہے
پیامِ شاعرِ مشرق یہی ہے

عروسِ گلستاں پر بانکپن ہے!
چمن تازہ ہے پھولوں پر پھبن ہے!
یہی گلشن تو اب اپنا وطن ہے!

یہاں کب زندگی شرمندگی ہے
پیامِ شاعرِ مشرق یہی ہے

صدا تھی وقت کے ہونٹوں پہ جس دم
بتاؤ کس کو سونپا جائے پرچم
اُٹھا تھا کون یہ کہہ کر کہ اب ہم
دکھا دیں گے یہ کیسی برہمی ہے
پیامِ شاعرِ مشرق یہی ہے

جو سچ پوچھو یہ رازِ زندگی ہے!
شعورِ زیست احساسِ خودی ہے!
خودی وہ جس کا مطلب آگہی ہے!
وہ آگاہی جو روحِ بندگی ہے
پیامِ شاعرِ مشرق یہی ہے

وہ آگاہی وہ روحِ بندگی، ہاں!
دلِ شبّیرؑ میں جو ہو کے غلطاں!
بنی یوں سرخیِٔ خونِ شہیداں!
کہ ہر عالم پہ اب چھائی ہوئی ہے
پیامِ شاعرِ مشرق یہی ہے

حسینیت کا یہ جذبہ نہ چھوڑو!!
یزیدیت کے ہر افسوں کو توڑو!!
نہ مُنہ اب شاعرِ مشرق سے موڑو
رئیسِ احمر جو شوقِ شاعری ہے
پیامِ شاعرِ مشرق یہی ہے

●

رئیس امروہوی

اقبال

عقل کو جس سے نصیب ایقان و عرفاں کا شعور
عشق کو جس سے میسّر غم کا لافانی سُرور
رُوح جس سے زندہ و پُر سوز و بیدار و جواں
فکر جس سے سرِّ تخلیق و عدم کی راز داں
گوہرِ شہوار آنکھوں کو میسّر جس سے ہیں
تابناک و بے بہا اشکوں کے گوہر جس سے ہیں
جس نے بخشا رُوحِ مُردہ کو خودی کا ولولہ
قوم کو جس کی ودیعت زندگی کا حوصلہ
زندگی بالیدہ جس کی شبنمِ گفتار سے
گود بھر دی قوم کی جس نے نئے افکار سے
جذبۂ بیتاب منزل سُست گاموں کو دیا
انقلابی ولولہ جس نے جوانوں کو دیا
الغرض جس میں نہاں فطرت کا ہر الہام ہے
ہاں وہ تیرا نام اے اقبالؔ تیرا نام ہے

●

زاہد الحسن زاہد

بیادِ اقبال

حضرتِ اقبال اے اقبال مند — تیرے پہلو میں تھا قلب دردمند
تو مفکر رہبرِ عالی دماغ — کر گیا روشن بصیرت کے چراغ
اے کہ تو تھا فخرِ دنیائے ادب — شاعری تیری نہیں ہے بے سبب
تو خود اپنی ذات میں تھا انجمن — فکر و فن کو تو نے بخشا بانکپن
چھا رہی تھیں چار سُو تاریکیاں — تو نے شعروں سے کیا روشن جہاں
تو نے شعروں سے جگایا قوم کو — دین کا رستہ دکھایا قوم کو
سیدِ بطحا سے اُلفت تھی تجھے — اُن کی اُمت سے محبت تھی تجھے
تیرا دل حُبِ وطن سے چُور تھا — بادۂ اسلام سے مخمور تھا
رُوح ہر دل میں نرالی پھونک دی — بخش دی ان کو انوکھی زندگی
تیری حکمت اور فراست کا صلہ — عطیہ ہے سرزمینِ پاک کا
فلسفہ اور شاعری تیرے گہر — ہر دلِ انساں پہ کرتے ہیں اثر
تیرا "شاہیں" اور ترا لفظ "خودی" — بن گئے ہیں زیست کے عنواں یہی
تیری ہستی قابلِ صد آفریں — یہ وطن ہے تیرا اک خوابِ حسیں
مرتبہ تیرا بھلا سکتے نہیں — تجھ سا شاعر آج پا سکتے نہیں
مشرق و مغرب میں تیرا نام ہے — فیض تیری شاعری کا عام ہے
ہے دلوں میں تیرا اتنا احترام — سر جھکا دیتے ہیں سن کے تیرا نام
تو نے پائی ہے حیاتِ جاوداں — یاد میں غمگیں ہے تیری جہاں
اے مجاہد قوم کے مردِ جری — رحمتیں نازل ہوں تربت پر تری

تیرے پہلو میں تھا قلب دردمند
حضرتِ اقبالؒ اے اقبال مند

ساغر دہلوی

اقبال امر ہے

جو نقش ہے ذہنوں پہ اتر سکتا نہیں ہے — اقبال امر ہے کبھی مر سکتا نہیں ہے
اس نے جو جلائے ہیں دیے جلتے رہیں گے — ہر دور میں ہم سب کے لیے جلتے رہیں گے
اس آگ سے ہر شخص گزر سکتا نہیں ہے — اقبال امر ہے کبھی مر سکتا نہیں ہے
اقبال ترے خواب کی تعبیر ہے یہ ملک — ٹوٹے نہ کسی سے وہی زنجیر ہے یہ ملک
سمٹا ہوا شیرازہ بکھر سکتا نہیں ہے — اقبال امر ہے کبھی مر سکتا نہیں ہے
اسلام کی خاطر تھا مثالی ترا کردار — ہر ملک میں ہر قوم میں پھیلے ترے افکار
کوئی تری عظمت سے مکر سکتا نہیں ہے — اقبال امر ہے کبھی مر سکتا نہیں ہے
اقبال کی محنت کا صلہ ملنے لگا ہے — ذہنوں میں جوانوں کے خودی اور خدا ہے

جو رنگ چڑھا ہے وہ اتر سکتا نہیں ہے
اقبال امر ہے کبھی مر سکتا نہیں ہے

●

ساقی الحسینی

نذرِ اقبال

اے شاعرِ سرشارِ مئے حکمت و عرفاں
ہر شعر ترا آئینۂ علم فراواں
آنکھوں میں تری شاہد کونین کے جلوے
ہاتھوں میں ترے لیلیٰ آفاق کا داماں

ادراک پہ چھایا ہوُا احساس کا بادل
جذبات کا سینے میں نہاں بحرِ خروشاں
ہر لرزشِ مژگاں میں بصیرت کا ترنّم
ہر جنبشِ لب میں تری اسرارِ غزل خواں

اندیشہ ترا نور فشاں صورتِ قندیل
گفتار منوّر صفتِ شمعِ فروزاں
ضَو بار خیالات کے چھٹکے ہوئے تارے
ظلمت کدۂ دہر میں ہے جن سے چراغاں

تخئیل تری پردہ کشائے رُخِ ہستی
تدبیر تری شانہ کشِ گیسوئے دوراں

کاخِ اُمرا پر کبھی افکار کی یورش
تقریر کا موضوع کبھی مردِ کہستاں

تنقید کی زد میں کبھی پیرانِ شکم سیر
عنوانِ مباحث ہے کبھی جہلِ فقیہاں

یوں ربط دیا تو نے حکایاتِ جنوں کو
اک خواب پریشاں ہوئیں آیاتِ حکیماں

ہر دل کو منوّر کیا قندیلِ خودی سے
انساں ہوا خودداریِ انساں کا نگہباں

اب فیض سے تیرے ہے سرِ جادۂ منزل
حیرت کدۂ دہر میں بھٹکا ہُوا انساں

سبطِ علی صبا

وہ ایک شاعر

وہ ایک شاعر
سیاہی شب میں جس نے حق کا دیا جلایا
قفس نصیبوں میں جذبۂ حرّیت جگایا
بتایا جس نے
صحیفۂ زندگی کی حرمت پہ سر کٹانا ہی زندگی ہے
جہاں میں سچائیوں کے ہر سُو علم اٹھانا ہی زندگی ہے
سکھایا جس نے
کہ دست کش ہو کے وصلِ لیلائے مصلحت سے
خوشی سے زخمِ فراق کھانا ہی زندگی ہے
وہ عظمتوں کا امین شاعر
عروجِ نوعِ بشر کی بن کر نوید آیا
بتایا جس نے کہ دارِ فانی میں
حرفِ حق ہی قدیم تر ہے
عظیم تر ہے
یہ حرف مخزن ہے سیلِ انوارِ بے کراں کا
سیاہیوں کے پجاریوں نے اسی کو مصلوب کر دیا تھا،
اسی کی مستی لے کر بلا میں صداقتوں کے دیے جلائے

وہ ایک شاعرِ عظیم کردار بن گیا ہے
نوائے شاعر مسافرانِ رہِ خودی کے لیے جہاں میں
ہمیشہ بانگِ درا رہے گی
وہ اپنے افکار کی ضیا سے سیاہیِ شب میں
حرفِ حق کے دیے کی عظمت دکھا رہا ہے
تمام خوابیدہ قافلوں کو جگا رہا ہے

●

سبطین شاہجہانی

شاعرِ مشرق

شاعرِ مشرق بہارِ ملک و ملّت کے نکھار
تجھ سے ارضِ پاک کا ہے ذرّہ ذرّہ زرنگار
تو سراپا درسِ فکر و آگہی بطلِ خودی
تو نے ملک و قوم کو بخشا وقارِ زندگی

رشکِ مہر و ماہ تیرا کوکبِ اقبال تھا
جلوۂ افرنگ تیرے سامنے پامال تھا
کارگاہِ فکر تیری، ماہ و انجم کا جمال
تجھ سے تابندہ شبستانِ ادب کے ماہ و سال

زندگی کے گُل کدوں پر ثبت تھا نقشِ خزاں
تجھ سے عنبر بار ہے اب آرزو کا گلستاں
تو ضیائے نو بہ نو تھا ظلمتوں کے شہر میں
تجھ سے روشن ذرّہ ذرّہ جلوہ گاہِ دہر میں

ارضِ پاکستان پر ہیں تیری عظمت کے نشاں
مرحبا اے شاعرِ ملّت، مفکّر نکتہ داں
آج بھی ہیں تجھ سے تابندہ وطن کے بام و در
آج بھی روشن ہیں تیری فکر سے شمس و قمر

سرزمینِ پاک تیرے خواب کی تعبیر ہے
مخزنِ روحِ معانی تیری ہر تحریر ہے

سحاب قزلباش

نذرِ اقبال

دِلوں میں یوں خودی کا ذوق پیدا کر دیا تو نے
کہ ہر قطرے کو طوفاں سے شناسا کر دیا تو نے

سِکھایا ہم کو دُنیا میں طریقہ جینے والوں کا
ہجومِ یاس کو یکسر تمنّا کر دیا تو نے

تری لے بول اُٹھی، دیر و حرم تک گُنگُنا اُٹھے
کہ پتھریلے دلوں میں درد پیدا کر دیا تو نے

ترے اشعار میں گزرے ہوئے موسم کی انگڑائی
نظر میں عظمتِ کہنہ کو زندہ کر دیا تو نے

بھٹکتا ہے جہاں مایوس انساں اپنے مسلک سے
وہاں اُمّید کا ہر سُو اُجالا کر دیا تو نے

سحر اکبر آبادی

یادِ اقبال

کسی کے دل کے حسنِ مدعا کی یاد آتی ہے
مضامینِ غمِ لا انتہا کی یاد آتی ہے

لگانا چاہتا تھا جادۂ حق پر جو ملت کو
اُسی ہمدردِ ملت، رہنما کی یاد آتی ہے

جنھوں نے نکتہ چیں بن کر غضب کی بے وفائی کی
اُنھیں بھی آج مردِ باوفا کی یاد آتی ہے

گئے وہ دن کہ پرسانِ غمِ پنہاں بھی تھا کوئی
دلوں کو اپنے اک درد آشنا کی یاد آتی ہے

وہی اک ناصحِ مشفق حلاوت زا سخن جس کا
اُسی شیریں بیاں شیریں نوا کی یاد آتی ہے

عروجِ ملتِ بیضا کی جس نے بھیک مانگی تھی
شہِ کون و مکاں کے اُس گدا کی یاد آتی ہے

وفائے قوم کے پھوٹے تھے جس کی ذات سے چشمے
ہمیں اُس منبعِ رنگیں نوا کی یاد آتی ہے

سُنی جاتی نہ تھی کل تک کسی سے راہِ منزل میں
ہر اک راہی کو اب بانگِ درا کی یاد آتی ہے

مسلسل غائبانہ جس نے اندازِ سخن بخشا
سحرؔ کو آج اُس نغمہ سرا کی یاد آتی ہے

•

سراج الدین ظفر

نوحۂ اقبال

دیارِ ہند میں آوارہ تھی جو بوئے لطیف
اُڑا کے لے گئی اُس کو ہوائے ذوقِ وصال

لبِ نیاز پہ لرزاں تھی جو نوائے سروش
پہنچ گئی وہ تڑپ کر سرِ حریمِ جمال

کہاں ہے آج وہ آئینہ دارِ حسنِ خودی
جلائی برقِ حقیقت سے جس نے شمعِ خیال

کہاں ہے آج وہ نغمہ طرازِ سازِ الست
دلوں میں پھونک دی جس کی نوا نے روحِ بلالؓ

دراز دستیٔ فطرت سے ہو گیا خاموش
وہ سازِ عشق کہ جس کی نوا تھی بادِ شمال

خزاں کی تند ہواؤں کی تاب لا نہ سکی
وہ شمعِ تہامہ و پروین کی طرح جس کا جلال

تجھے خبر بھی ہے اے دستِ بے پناہِ اجل
تری جفا سے ہوئی کشتِ عاشقی پامال

تجھے خبر بھی ہے اے رستخیزِ بادِ فنا
کہ بجھ گئی تری جولانیوں سے شمعِ کمال

ہُوا خموش مدینے کا سازِ رُوح گداز
نوائے طوطیٔ بامِ حرم ہے بے پر و بال

کہاں وہ سوزِ نواہائے زندگی افروز
کہاں وہ لُطفِ تب و تابِ محفلِ اقبال

نظر میں اب بھی ہیں نقشے وہی سمائے ہوئے
عروسِ شعر ہے ماتم میں سر جھکائے ہوئے

سرفراز جوہر

اقبال

بجلیاں احساس کی بھتیں سینۂ صد چاک میں
بن کے شاہیں اُڑ رہا تھا عالمِ ادراک میں
شوقِ بے پروا تھا اُس کی زندگی کا کارواں
عرش کی قندیل سے لایا تھا سرِّ کہکشاں

بر سرِ طاقِ حرم مشعل جلائی طُور کی
عقل کے ظلمت کدوں کو روشنی دی نُور کی
رُوحِ نغمہ بن کے گونجا بزمِ سوز و ساز میں
شعلہ و شبنم کی فطرت تھی نہاں آواز میں

وا فرازِ چرخِ ہفتم کے دریچے کر دیئے
طائرِ زندانِ ہستی کو نظر دی پَر دیئے
بستیوں کے رہنے والوں کو دیا عزمِ بلند
ڈال دی ذرّوں کے ہاتھوں ماہ و انجم پر کمند

زندگی کی شاہراہوں میں اُجالا کر دیا
پیکرِ انسانیت میں رنگِ فطرت بھر دیا
بن کے مضرابِ تخیّل زندگی کے ساز پر
لے گیا سبقت پرِ جبریل کی پرواز پر

آشنائے دامنِ پایاب بحرِ بیکراں
کر گیا افشا زمانے بھر پہ رازِ کُن فکاں

سرفراز قریشی

زندہ تصویر

کھولتے لمحوں کے انبوہِ گراں میں دب کر
سر پٹختے ہیں حسیں یادوں کے پیکر کیا کیا
ان حسیں یادوں کی خاکستر میں
ایک چنگاری چمکتی سی نظر آتی ہے
جیسے سورج کی کرن
اور میں دیکھتا ہوں
ایک تصویر ابھی زندہ ہے
جس کا ہر نقش ہے عنوانِ ثبات
جس کی ہر سانس میں ہے نکہتِ پیغامِ حیات
کتنی خوش رنگ و ضیا بار ہے یہ
دستِ قدرت کا تراشا ہوا شہکار ہے یہ
جرأت و درسِ خودی
زندہ دلی
دعوتِ فکر و نظر
عظمتِ نوعِ بشر
تابشِ اقبالِ اُمم

اس کے خد و خال میں ہے —
اسی تصویر سے ملتی ہے مری سوچ کو لَو
میرا ہر جذبہ و احساس، ہر اک فکر و عمل
میری سچائی
مرا فن
مری حُبُّ الوطنی
میری خوشیوں کی نہایت
مرے ارمانوں کا رس
اسی تصویر سے منسوب ہے میرا سب کچھ —
اے مرے زندہ خیالات کی زندہ تصویر
تیرے احسان نہ ہرگز میں بھلا پاؤں گا
تو نے رہنے کو مجھے دھرتی دی
اور جینے کا قرینہ بخشا
میرا یہ ملک، مری پاک زمیں
تیرے خوابوں ہی کی تعبیر تو ہے
اے مرے زندہ خیالات کی "زندہ تصویر"

سرور اکبرآبادی

نذرِ اقبال

کیا پیدا زمانے میں نیا رنگِ ادب تو نے
زباں کو دل لبھانے کے سکھائے لاکھ ڈھب تو نے
نہ بھولے گی نہ بھولے گی ترے احسان کو اردو
بنایا ہے اسے ہر رنگ سے جانِ طرب تو نے

تری رنگیں بیانی کا سبھی اقرار کرتے ہیں
تخیّل سے ترے پیدا نئے افکار کرتے ہیں
ترے ذوقِ تکلّم نے دیا اندازِ نو سب کو
پرانے زاویئے پیدا ترے اشعار کرتے ہیں

ترے نغمات نے جذبات میں اک صورِ نو پھونکا
ترے حسنِ تخیّل کا زمانہ ہو گیا شیدا،
کیا ذوقِ یقیں پیدا ترے رشد و ہدایت نے
کہ سازِ قلب سے ہونے لگی آوازِ ہو، پیدا

ترا کردار تھا اپنی جگہ درسِ عمل ہم کو
تری تنقید نے بخشے ثقافت کے کنول ہم کو
نہ بھولیں گے ترا احسان اربابِ قلم ہرگز
بڑے مشکل مسائل کے سجھائے تو نے حل ہم کو

ترا زورِ قلم اک ضربِ کاری ہے زمانے پر
ہوئی بیدار قومِ خفتہ تیرے اک ترانے پر
ترے ادراک نے بخشے ہیں جوہر علم و حکمت کے
فسانہ تیرا غالب کیوں نہ آئے ہر فسانے پر

تری آواز نے محفل کو سوز و ساز بخشا ہے
دلوں کو زندگی کا اک نیا انداز بخشا ہے
خودی جوشِ عمل ایمانِ محکم کا سبق دے کر
ہمیں تو نے بڑا اقبال اور اعزاز بخشا ہے

تری آواز سے اندازۂ الہام ہوتا تھا
ترا پیغام ذوقِ عشق کا پیغام ہوتا تھا
تری آزاد گفتاری کا جاں افزا لب و لہجہ
سرورِ خاص ہوتا تھا سلائے عام ہوتا تھا

سرورِ کمال

اقبال

ہم کہ تھے واقفِ اسرارِ جہانداری کے
دامِ اغیار میں نخچیر ستمکاری کے

بحر میں کوئی تلاطم تھا نہ بیداری تھی
گرچہ بدلے ہوئے حالات سے بیزاری تھی

پابہ زنجیر تھے اور کچھ نہ تھا احساسِ زیاں
سوچ میں گم تھے مسلمان کہ اب جائیں کہاں

ہاتھ اُٹھائے ہوئے رحمت کے طلبگار تھے ہم
اپنے کردار پہ نالاں تھے نگونسار تھے ہم

تیری آواز نے گرمایا لہو جاگے عوام
پھر سے اپنایا مسلمانوں نے بھولا پیغام

تیرے اشعار میں آیات کی تفسیریں ہیں
رومی و رازی و عطار کی تعبیریں ہیں

تیرے افکار نے بخشا ہے ہمیں عزمِ بلند
ڈال دی تیرے جوانوں نے ستاروں پہ کمند

تیرا احسان ہے اقبال کہ آزاد ہیں ہم
وطنِ پاک میں خوشحال ہیں آباد ہیں ہم

(ڈاکٹر) سعید اختر درانی

در مدحِ اقبال

اے کہ تھی فکر میں تیرے پرِ جبریل کی تاب
اور تجھے زد میں تری مہر و مہ و نجم و شہاب

ذہن تیرا تھا ہم آہنگِ سرودِ ازلی
عقلِ کُل نے کیا خود تیرے تخیّل سے خطاب

فکر سے تیرے کھُلی رفعتِ فکرِ انساں
تہہ ترے عمقِ نظر سے ہوئی اس کی نایاب

گو ہمہ عقل تھا تو، تو تھا جنوں سے سرشار
مضطرب کھتا تھا جو تجھ کو بسانِ گرداب

خواب میں کھوتے ہوئے مسلمِ ہندی کے لئے
دل تڑپتا تھا صدا تیرا مثالِ سیماب

نعرۂ نیم شبی تیرا ہوا بانگِ درا
کارواں جب کہ تھا دل دادۂ سرمستیٔ خواب

قافلہ گم تھا شبِ تار میں جب شعلہ ترا
دشت میں کوند گیا مثلِ شہابِ شب تاب

تو نے باطل کئے سب قوم پرستی کے طلسم
ذہنِ ملّت سے اٹھا ڈالے ضلالت کے حجاب

اک نیا دَور کہ دی جس کی بشارت تو نے
دہر میں جلوہ فگن ہے وہ برافگندہ نقاب

تجھ سے اسرارِ شہنشاہی غلاموں پہ کھُلے
تیرے اعجاز سے سیکھے وہ خودی کے آداب

مہرے پروازِ تخیّل پہ ثریا حیراں
شعلۂ فکر کے آگے ترے سُورج کم تاب

مکتسب تیری نظر سے ہوئے جب ہم تو کھُلا
منتظر زخمۂ انساں کا تھا فطرت کا رباب

ذہنِ انساں ہوا اخلاقِ جہاں کا ہم کار
اور پورا ہوا دیکھا تھا جو تخلیق نے خواب

فلسفہ تیرا تھا جس سے ہوا انساں کا دماغ
دَورِ طفلی سے گزر کر ثمر اندوزِ شباب

فکر سے تیرے خرد پر ہے بہارِ نامیر
تو نے بویا تھا جو پودہ وہ ہے دائم شاداب

جب تلک دہر میں گرداں ہیں بہار اور خزاں
کبھی کملا نہ سکے گا تری شہرت کا شباب

چشمِ انساں سے بہیں گے جو تری یاد میں اشک
ظلمتِ دہر میں ہوں گے وہ نجومِ شب تاب

میں بھی آیا ہوں لحد پر تری لے کے اک نذر
اے کہ ہے ہمسرِ افلاک بریں تیری جناب

مایۂ فخر مجھے ہوگا جو ہوں تجھ کو قبول
یہ مرے خونِ دل و دیدہ میں آغشتہ گلاب

یہ مرے پھول یہ اشعار جو ناچیز تو ہیں
پر مرے خونِ جگر سے یہ ہوئے ہیں سیراب

ہے دل افروختہ شعروں سے فزوں کون خراج؟
کون سی نذرِ عقیدت میں ہے بیش از خوناب

سکندر حیاؔ بریلوی

خواب کی تعبیر

خوابیدہ مسلماں تھے اُنھیں تُو نے جگایا
آزادی کا ان سب کو سبق تُو نے پڑھایا
کیا خوب دکھائی ہے ترے لفظوں نے تاثیر
ہے شاعرِ مشرق یہ ترے خواب کی تعبیر

آزادیٔ مُسلم کا طلبگار تھا دل سے
اس کوششِ پیہم میں مددگار تھا دل سے
مرضی تھی تری بدلے مسلمانوں کی تقدیر
ہے شاعرِ مشرق یہ ترے خواب کی تعبیر

دیکھے تھے کبھی تُو نے تخیّل میں جو سپنے
اور لفظوں سے تعبیر بھی دے لی تھی خود اپنے
اب دیکھ لی دُنیا نے ترے خواب کی تعبیر
ہے شاعرِ مشرق یہ ترے خواب کی تعبیر

اے خواب تُو شرمندۂ تعبیر ہُوا کب؟
افسوس کہ اقبال زمانے میں نہیں جب
اقبال کے لفظوں کی حیاؔ دیکھ لی تاثیر!
ہے شاعرِ مشرق یہ ترے خواب کی تعبیر

سلمیٰ تصدق حسین

علامہ اقبال کی خدمت میں

اے مہِ تاباں فروغِ انجمن　　اے سراپا فکر اے جانِ سخن
اے مفکّر اے مدبّر اے حکیم　　اے ادیب اے طورِ معنیٰ کلیم
ملّتِ اسلامیہ کی آبرو　　تیرے دم سے حسنِ فطرت کی نمو
اے چراغِ ملّتِ احمدؐ کے نور　　جس کے دامن میں ہے پنہاں موجِ طور
اے حقیقت آشنائے زندگی　　نکہت و نورِ فضائے زندگی
تیرے نغمے اے رجز خوانِ حیات　　جھومتی ہے سن کے ساری کائنات
عشق کے میدان کا تو شہسوار　　روح پرور تیرا جوشِ کارزار
تو نے پیغامِ حیات افزا دیا　　تو نے سینوں میں لہو گرما دیا
عشق کو بے تابیاں بخشیں ہزار　　حسن کو بخشی نگاہِ جلوہ کار
قوم کو بخشی فراست کی نظر　　دے دیئے اس کو نئے قلب و جگر
تیرا ماضی روکشِ فردا رہا　　تو زمیں پر بھی فلک پیما رہا
تو مگر ہے چشم و چراغِ آگہی　　اور سراپا سوز و سازِ عاشقی

تا ابد باقی ہے تیری آب و تاب
عالمِ ہستی میں مثلِ آفتاب

سلیم بیتاب

مردِ قلندر

کتنی پُر ہول تھی بے دردِ غلامی کی رات
جس نے صُبحوں کو تہہِ دام دبا رکھا تھا
جس کی ظُلمت نے جبینوں پہ مَلی تھی کالک
جس کی ہیبت نے دِیا دل کا بُجھا رکھا تھا
چار سُو پھیلی ہُوئی ظُلم کی تعزیریں تھیں
شورِ زنجیر نے اِک حشر اُٹھا رکھا تھا
چار جانب تھا فضاؤں پہ مسلط وہ سکوت
سوچ پر جس نے کڑا پہرہ بٹھا رکھا تھا
ڈال کر چاروں طرف وہم و گماں نے پردے
مقصدِ زیست کو آنکھوں سے چُھپا رکھا تھا
زیست بے رنگ سی تصویر بنی بیٹھی تھی
تیرگی خواب کی تعبیر بنی بیٹھی تھی
اِس قیامت کی گھڑی میں وہ اُٹھا مردِ عظیم
نام اقبال ہے دُنیا نے جسے یاد کیا
اُس نے زنجیرِ غلامی پہ لگائیں ضربیں
اُس نے طاغوت کے ہر دام کو برباد کیا
اُس کے نغموں سے مِٹا سرد فضاؤں کا سکوت
اُس کے نالوں نے نئے سوز کو ایجاد کیا

فکر سے اُس کے ہلی تیرہ دماغوں کو ضیا
نُطق کو اُس نے لبِ تیشۂ فرہاد کیا
اُس کی اِک ضرب سے زنجیرِ گراں بار کٹی
ذہن کو اُس نے گرفتِ قید سے آزاد کیا
بخش کر اپنے تفکّر کا مصفّا پانی!
اُس نے اِک اُجڑی ہوئی قوم کو آباد کیا

آؤ اُس مردِ قلندر کو کریں جھک کے سلام
اور پھیلائیں اُفق تا بہ اُفق اُس کا پیام

●

سلیم فاروقی

بیادِ اقبال

اے نواسازِ حقیقت اے خودی کے ترجماں
ہے زمانہ آج تیری شان میں رطب اللساں

لذّتِ آہِ سحر گاہی سے تھا تُو فیض یاب
نغمہ ہائے شوق سے سرمست تھی بزمِ جہاں

"بالحقیقت پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد"!
فکر سے روشن ہیں تیری یہ مکان و لامکاں

چھیڑتا تھا تُو حجازی لَے میں سازِ معرفت!
محرمِ رازِ حقیقت شارحِ سرِّ نہاں

سنّتِ خیرالوریٰ تیرے لیے راہِ نجات!
تیرے دل میں تھا نبیؐ کے عشق کا دریا رواں

گتھیاں سلجھائیں تو نے انفس و آفاق کی
طفلِ مکتب تیرے آگے نیطشے اور برگساں

بندۂ مزدور کو تو نے دیا پیغامِ زیست
لعنتِ سرمایہ داری تجھ سے بے نام و نشاں

سچ کہا یہ "شاعری جزویست از پیغمبری"
جھومتے ہیں تیرے نغزِ شعر و فن پر قدسیاں

جاگزیں تھا تیرے دل میں وعدۂ صبحِ ازل
ہو گئے تھے منکشف تجھ پر رموزِ کُن فکاں

ہیچ تھا نظروں میں تیری امتیازِ رنگ و بُو
تُو نے دنیا کو سکھائی تھی محبت کی زباں

تیری فطرت کو گوارا کب تھا باطل کا چلن
زندگی بھر دل کے بُت خانوں میں دی تو نے اذاں

وادیٔ عشق و محبت میں رہا محوِ خرام
عقل کی بازی گری تھی تیری نظروں میں عیاں

شہپرِ جبریل سے آگے تری فکرِ رسا
عام ذہنوں میں مگر یہ بات آئے گی کہاں؟

تو گلستانِ معانی کے لیے اذنِ بہار
تری تشبیہات و تلمیحات خطِ گلستاں

بادۂ شیراز کا تیرے تغزّل میں سرور!
نظم رنگارنگ میں تیرے نظامِ کہکشاں

اے نواسنجِ حقیقت، اے حکیم نکتہ ور!
عصرِ حاضر کی بھی سُن میری زبانی داستاں

نسلِ نو کو کھا گیا تہذیبِ حاضر کا فسوں! — بن گئیں اس کا مقدّر زندگی کی پستیاں
صُوفی و مُلّا کا کردار و عمل ہے بے اثر — فکرِ اہلِ مدرسہ پر چھا گئیں تاریکیاں
رُوح کو تڑپا رہی ہے علم و فن کی بے بسی — آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے وہ کہے کیونکر زباں
آ کے پھر بزمِ جہاں کو اک نیا انداز دے — منتظر ہیں تیرے نغموں کے زمین و آسماں
مَن کی دُنیا کو جگا دے پھر سرودِ عشق سے — ہاں! عطا کر زندگی کو پھر وہی تاب و تواں

فکر و فن کے نُور سے معمُور ہو قلبِ تسلیم
فیضِ باطن سے بنا دے اس زمیں کو آسماں

ڈاکٹر سیّد صفدر حسین

اقبالِ قوم

اور نظامِ جہاں کیا ہے تری کائنات
سلسلۂ روز و شب، سلسلۂ واردات

سنگ کے کچھ شعبدے، رنگ کے کچھ شعبدے
بحر کے کچھ سانحات، لہر کے کچھ سانحات

شعلگیِ نار و نُور، جلوگی بے ظہُور
بارگہِ ممکنات، کارگہِ معجزات

خواب و خبر عارضی، کیف و اثر عارضی
رقصِ شرر بے ثبات، سوزِ جگر بے ثبات

روزِ ازل سے ہے گرم معرکۂ مرگ و زیست
اِس کی ولادت کی صبح، اُس کی شہادت کی رات

کِرم ہو یا ماہ تاب، ذرّہ ہو یا آفتاب
ایک ہی ہے اِن کی لَو، ایک ہی ہے اِنکی ذات

عشق میں اور حُسن میں ربطِ مُسلسل تو ہے!
پردۂ حائل مگر پھر بھی ہے فرقت کی رات

سوز میں بھی ایک ساز، ناز میں بھی اک نیاز
ایک ہے دونوں کی ذات گرچہ جُدا ہیں صفات

عقل و جنوں رات دن اب بھی ہیں گرمِ ستیز
گاہ جنوں کی شکست، گاہ خرد کی ہے مات

روشنی و تیرگی دل میں لیے ایک راز
غنچگی و عقدگی منہ میں لیے ایک بات

کیا ہے سحر کا پیام، کیا ہے اندھیرے کا کام
ان کے اشاروں کے نام کب ہیں رہینِ لغات

جس کی نظر سے ہوں فاش ان کی حقیقت کے راز
ہے وہی فطرت گداز، پردہ درِ کائنات

شاعرِ اقبال نام، نطق کا تجھ پر سلام
تیرا بیانِ جلی، آئینۂ شش جہات

تجھ سے ہوئیں دھڑکنیں سینۂ آدم کی تیز
کاشفِ فطرت ہے تو، شاعرِ سوزِ حیات

چاک کیا تو نے جب اپنا گریبانِ شوق!
چاک ہوا خود بخود پردۂ ذات و صفات

ہاتھ میں تیرے جو ہیں شہپرِ جبریلِ فن
ان سے بنیں گے قلم نقش گرِ کائنات

ہاتھ میں جو دھجیاں دامنِ گردوں کی ہیں!
ان سے رفو ہو گا کل سینۂ چاکِ حیات

تیری نظر کا صعود، شاہدِ گلِ شہود
ناظرِ قلبِ وجود، دیدہ ورِ بیّنات

تو نے جو دیں وسعتیں حلقۂ زنجیر کو
پھیل گیا اور بھی دائرۂ ممکنات

جام میں تیرے وہ ہے بادۂ حُبِّ حسینؑ
جس سے ہوئے شادکام تشنہ لبانِ فرات

تو کہ ہے اقبالِ قوم، شارحِ اجمالِ قوم!
پرتوِ اجلالِ قوم، مصر و عجم کی برات

عشق کے رنگیں محل، عقل کے سنگیں محل
تجھ سے ہوئے پاش پاش، عرش تلک تیرے ہات

بُت کدۂ ذہن میں تیری اذانوں کی گونج!
آج بھی سجدے میں ہیں فکر کے لات و منات

بُلبُلِ شیرازِ فن، شاعرِ شیریں دہن
ہے تری نذرِ سخن، کوزۂ شاخِ بنات

صفدرِ دریوزہ گر، خوار رہو کیوں در بدر!
اس کو ملے اک نظر دولتِ فن کی زکات

سیّد فیضی

اقبال کا پیغام

وہ اک مغنّیِ آتش نفس، وہ مردِ غیور
عرب ہے جس نے جلائی عجم کی شمعِ جمال
مثالِ شعلۂ بیباک جس کا حُسنِ شعور
وہ کون شاعرِ مشرق، محمّدِ اقبال

وہ مُشتِ خاک کہ تھی جس میں برق سامانی
بتایا اُس نے ہمیں رازِ زندگی کیا ہے
تقاضۂ بشرّیت ہے کیا؟ جہانبانی
تڑپ کا جذبہ نہیں ہے تو شاعری کیا ہے؟

خودی سے رُوح منوّر، خودی سے دل پُرسوز
خودی ادب کا تقاضا ہے ورنہ بے ادبی
"ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بُو لہبی"

وہ قوم مُردہ ہے، راز آشنائے زیست نہیں
بندھے ہیں وقت کی گردش میں جس کے لیل و نہار
زمانہ کوئی ہو، معلوم ہے بہ علم و یقیں
نشانِ زندگیٔ قوم! وحدتِ افکار

یہی پیام ہے اقبال کا وہ زندہ پیام
کہ جدّ و جہد سے مقصود تک رسائی ہے
عمل کا، کوششِ پیہم کا نیک ہے انجام
وگرنہ بے عملی داغِ بد نمائی ہے

اذاں عمل کی فقط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
انہی فضاؤں میں ہے لرزشِ پرِ جبریل
عذابِ وقت سے اقبال خوب تھا آگاہ
کہ اس کو آگ میں ڈالا گیا تھا مثلِ خلیل

حیات اُس کے لئے ہے مقامِ شبیریؑ
اسی شعور سے روشن ہے نام عظمت کا
اخوتوں کی جہانبانی و جہانگیری
یہی ہے رازِ مسلماں کی اصل قوّت کا

سیف زُلفی

بحضورِ علّامہ

مرا خراجِ عقیدت حضورِ علّامہ
بہت حقیر ہے، خود میری شاعری کی طرح
وہ ایک محرمِ رازِ درونِ مے خانہ
کہ اُس نے ڈالی ہے اک تازہ بیخودی کی طرح

وہ ایک، مردِ سپاہی کہ اُس کے لفظ کی کاٹ
دل و جگر میں اُترتی ہے نیشتر بن کر
برنگِ رومی و رازی وہ ایک ذہنِ جدید
رہِ سخن میں ملا، مجھ کو راہ بر بن کر

دکھا دکھا کے سرِ راہ شعلۂ قندیل
تمام دشتِ حیات اُس نے جگمگایا ہے
مزاجِ خطّۂ مشرق کی روشنی کے لیے
اندھیری رات میں مہتاب بن کے آیا ہے

عمل کی راہ میں اُس نے خودی کی منزل میں
سُنا کے بانگِ درا قافلے جگاتے ہیں!
لہو کو جوششِ حرارت کا بانکپن دے کر
دماغ و دل میں نئے ولولے جگاتے ہیں

حضورِ شاعرِ مشرق سلام زُلفیؔ کا!
رموزِ شعر میں دانائے راز ہے اقبالؔ
کہاں ہے مشرق و مغرب میں آج اُس کا جواب
اگرچہ خاکِ زمینِ حجاز ہے اقبالؔ

شجاعت علی راہی

شاعرِ مشرق

اے وہ کہ دہر میں ترا ذوقِ سلیم فرد
اے اک عظیم دور کے سب سے عظیم فرد
مشرق کی بے مثال روایات کے امیں
مغرب کے لالہ و سخن و گُل کے خوشہ چیں
لات و مناتِ غرب کے محمودِ بُت شکن
اے مشرقی مزاج کی بے مثل روح و تن
تیرے بدن میں روح تھی تیری رگوں میں خوں
تیری تڑپ تڑپ تھی تو تیرا جنوں جنوں
فکر و سخن میں فصلِ بہاراں کا تاب و تب
شعلے کا حسن، عشق کی گرمی، غزل کی چھب
اشعار میں گداز کے جادو کا امتزاج
افکار میں گلاب کی خوشبو کا امتزاج
اے شاعرانِ فکر و نظر کے حسیں امام
تجھ پر مرا سلام ہو، تجھ پر مرا سلام

شرف نوگانوی

اقبال

تلاطم خیز جب ہوتا ہے سطوت بحرِ رحمت باری
خزاں میں گُل کھلا دیتا ہے آکے ابرِ آذاری

غلامی میں خدا نے دے دیا اقبالِ ملت کو
قفس میں بیٹھ کے سیکھے ہیں آئینِ جہاں داری

جگر میں آگ بھر دی مسلمِ افسردہ فطرت کے
جلا بیٹھی زمانے بھر کو تیری ایک چنگاری

نظر افلاک پر ہے ٹھوکروں میں سکوتِ باطل
بلند اتنی ہوئی ہے مسلمِ بے خود کی خودداری

تری تعلیم کا یہ شاعرِ ملت کرشمہ ہے
زمانے بھر سے منوائی گئی ہے اپنی سرداری

زمانے کو دکھائے حیدری انداز پھر ہم نے
دلِ باطل پہ پاکستان ہے اک ضربِ کراری

طلسمِ سامری توڑا گیا ضربِ کلیمی سے
تری بانگِ درا تھی قوم کو اک صُورِ بیداری

رموزِ بے خودی میں تیرے اسرارِ خودی پنہاں
پیامِ مشرقی تیرا سراسر درسِ جراری

چمن میں اب بہارِ بے خزاں کا دور دورہ ہے
شہیدوں کے لہو نے کی ہے اس میں مشقِ گل کاری

عروقِ مُردۂ مسلم میں خونِ زندگی دوڑا
مسیحائی سے تیری فیض کے چشمے ہوئے جاری

دیا کبکِ فرومایہ کو تو نے فرِ شاہینی
غلاموں کو بتائے تو نے اسرارِ جہاں داری

مسلماں ہو گئے پھر عزتِ اسلاف کے مالک
اب اٹھ کے دیکھ باطل کی جہاں میں ذلت و خواری

نہاں اقبال میں اپنے شرف اقبالِ ملت ہے
جمودِ بے حسی تھا اس سے پہلے قوم پر طاری

شرقی بن شائق

علّامہ اقبال

اے محفلِ حیات کے خورشیدِ صبح دار
ہر سُو ضیا فگن ہے ترے فکر کا نکھار

تابندہ تر ہیں تیرے سخن کے شگفتہ پھول — نکہت بجاں ہے تیرے خیالات کی بہار
تیری نوا ہے یا کوئی تنویرِ ارتقا — تیرا پیام ہے کہ ستاروں کی آبشار
پھیلی ہوئی ہے تیرے تصوّر کی روشنی — ظلماتِ زندگی کی ردائیں ہیں تار تار
ہے تیرا فقر، صبر و قناعت کا آئینہ — اے رہبرانِ ملّتِ بیضا کے تاجدار

قلبِ وطن سے مٹ ہی گیا داغِ انتشار
منزل کا حسن بن گیا اُڑتا ہوا غبار

تُو نے دیارِ پاک کا خاکہ ہمیں دیا — تُو نے ہمیں دکھائی رہِ عزّت و وقار
جمہوریت کے دَور میں داخل ہوئے ہیں ہم — زندہ ہوا ہے تیرے تخیّل کا شاہکار
اس رزم گاہِ دہر کے درویشِ مجتہد — ہر فلسفہ حیات کا تجھ سے ہے آشکار
ذرّوں کو تو نے بخشی ہے تابندگیٔ مہر — ذرّے ہوئے ہیں اوجِ ثریا سے ہمکنار

عزم و عمل کا جذبہ ہو کچھ اور پائیدار
ملّت کو پھر ہے تجھ سے مفکّر کا انتظار

شریف حزیں چکوالی

مقامِ اقبال

تِرے در پہ جبہ سا ہے تب و تابِ پادشاہی
تری ٹھوکروں میں رُسوا ہے غرورِ کج کلاہی

کسی اور نے نہ پایا وہ مقامِ سربلندی
جہاں پا گئی رسائی تری آہِ صبح گاہی

تری چشمِ خود نگر کو، کوئی صید کر نہ پایا
ہو وہ دامِ حُسنِ خُود بیں کہ فریبِ خانقاہی

ترے درس کا ہے صدقہ یہ جو مٹ گئی ہے یکسر
مری زندگی کی ظلمت، مرے بخت کی سیاہی

ہوں شکستہ پا تو کیا ہے نہیں زادِ رہ تو کیا ہے
تری رہبری میں کیوں ہو مجھے فکرِ رُو سیاہی

ہے کلامِ مردِ مومن میں، حزیںؔ یہ درسِ پیہم
کہ بنائے دیں کو لازم ہیں ادا مرد نواہی

●

شمیم بھیروی

نذرِ اقبال

ایشیا کے نور اے اسلام کے بطلِ جلیل
تیرا پروازِ تخیل ہمنوائے جبریل

فارسی زندہ تھی تیری شوخیِ گفتار سے
زینتِ کاشانۂ اردو تری فکرِ جمیل

سوزِ رومی شعلہ افشاں تھا نواؤں میں تری
اور تری تخئیل میں تھا جلوۂ روحِ خلیل

کارواں سالارِ امت ہے ترا نقشِ حیات
مردِ مومن کے لئے تیری نوا بانگِ رحیل

نسلِ آدم مدتوں روئے گی تیری یاد میں
اور دلیلِ زندگی ہو گی تری فکرِ جمیل

رنگ بدلے گی ہزاروں گردشِ دوراں مگر
غیر ممکن ہے کہ پیدا ہو سکے تیرا مثیل

تو متاعِ رفتہ کی اک رہ گیا تھا یادگار
چھن گیا اسلامیوں سے یہ بھی انعامِ جلیل

لے کے آیا بارگاہِ قدس میں تیری شمیم
آنسوؤں کے چند قطرے یعنی اک نذرِ قلیل

آسماں تربت پہ تیری شبنم افشانی کرے
"سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے"

●

شورش کاشمیری

درویشِ بے گلیم

اک رنگِ نو بہار فضاؤں پہ چھا گیا
اقبالؔ اس چمن کی رگوں میں سما گیا

اس سرزمیں پہ ملتِ بیضا کی آب و تاب
اپنے قلم کی تیز نوا سے بڑھا گیا

اُس کی صدا تھی صُورِ سرافیل کا جواب
اُس کا خروش ہر کہہ و مہ کو جگا گیا

تھا یہ بھی اُس کے ناخنِ تدبیر کا کمال
جلوہ گہہِ حیات کے پردے اُٹھا گیا

دہ چند کی ہے لُولُوے لالہ کی آبرو
شعر و سخن کے نام پہ موتی لٹا گیا

اک نغمۂ سحر تھا عجم کے لباس میں
بطحا کی وادیوں کے ترانے سُنا گیا

تاریخ روزگار کے تیور بدل دیئے
فطرت کے پیچ و خم کی نقابیں اُٹھا گیا

اُٹھا تھا ایشیا سے اک درویشِ بے گلیم
اپنی نوا سے مشرق و مغرب پہ چھا گیا

وہ قافلے کہ لغزشِ پا کا شکار تھے
ان کو حیات و موت کے معنی سُجھا گیا

ہر رہنما کو منزلِ عرفاں کی دی خبر
ہر راہ رَو کو جادۂ ایماں بتا گیا

شورش مرے قلم کو دیا اِذنِ انقلاب
اور خواجگانِ دہر سے لڑنا سِکھا گیا

شوق بدایونی

قطعات بیادِ علامہ اقبال

الفاظ و معانی کا خداوند ہے اقبال
اور مذہبِ اسلام کا فرزند ہے اقبال

ہر شعر ہے مِلّت کے لئے زیست کا پیغام
ہر طرح سے اسلاف کا پابند ہے اقبال

●

کمال یہ ہے کہ جو کچھ کہا حقیقت تھا
زمین کیا ہے فلک بھی تو غرقِ حیرت تھا

اُسے خُدا نے نوازا تھا شوقؔ عرفاں سے
خدُا گواہ کہ اقبال شانِ قدرت تھا

●

سُرخیٔ خون سے لکھی سرخی
رنگ پھر بھر دیا فسانے میں

جیسے تمُ ہو مثال خود اپنی
ایسا پائیں کہاں زمانے میں

شہرتؔ بخاری

مردِ قلندر

اک مردِ قلندر مرے لاہور میں آیا
ہر گام پہ نقشِ کفِ پا اپنا سجایا
سُورج سا دمکتا رُخِ پُر نور تھا اُس کا
دل عشقِ جہاں گیر سے معمور تھا اُس کا
تھا سایہ فگن سر پہ چتر ابرِ کرم کا
جب مردِ قلندر مرے لاہور میں آیا

چلتا تو رواں ہوتی نظر بے بصروں کی
رُکتا تو ٹھہر جاتی وہیں نبض دلوں کی
پُر کر گئے دامن کو گہر اُس کی صدا سے
گرویدہ ہوئے شاہ و گدا اُس کی ادا سے
ہر گوشے کو مقسوم ہوا باغ ارم کا
یوں مردِ قلندر مرے لاہور میں آیا

کیا جانئے وہ سحر تھا کیا بات میں اُس کی
کیا جانئے اعجاز تھا کیا ذات میں اُس کی
دو صدیوں کی لاشوں نے نئی زندگی پائی
بجھتے ہوئے سورج نے عجب روشنی پائی

افسانہ ہوا جاہ و حشم قیصر و جم کا
جب مردِ قلندر مرے لاہور میں آیا

صحرا کو چمن زار کیا ذوق نے اُس کے
دل سوز سے معمور کیے شوق نے اُس کے
جو خواب تھا وہ ایک حقیقت ہوا آخر
جو رنج تھا سرچشمۂ راحت ہوا آخر

یہ معجزہ کس کا ہے فقط اُس کے قلم کا
جو مردِ قلندر مرے لاہور میں آیا

●

شیدا گجراتی

فیضِ دوام

تری نوا نے ہمیں اک نیا چمن بخشا
گلوں کو عظمتِ رفتہ کا پیرہن بخشا

چمن کو نکہتِ نسرین و یاسمن بخشی
غزالِ دشتِ محبّت کو اک ختن بخشا

گلوں کو رنگ بہاروں کو تازگی بخشی
دلوں کو شعلۂ احساسِ روح و تن بخشا

بھٹک رہا تھا دھندلکوں میں کاروانِ حیات
مسافرانِ محبّت کو اک وطن بخشا

دلوں کو تُو نے عطا کی یقیں کی تابانی
مٹے ہوؤں کو جوانی کا بانکپن بخشا

شکوہ و سطوتِ پرویز سر ٹپکتی رہی
دلوں کو ولولۂ عزمِ کوہکن بخشا

گدازِ عشق سے محروم ہو چلا تھا حرم
پھر اس کو عظمتِ اسلاف کا چلن بخشا

خیال و فکر سے عاری سے تھے انجمن والے
خیال و فکر کو احساسِ انجمن بخشا

بہائے دولتِ پرویز کے عوض تُو نے
ہم اہلِ درد کو گنجینۂ سخن بخشا

●

شیدا افضل جعفری

نغمہ گر

فکرِ منظوم کو اسلام کا عنوان کیا
توُ نے اقبالؒ مسلماں کو مسلمان کیا
مست و سرشار محبّت کے ترانے دے کر
بزمِ تاریخ میں جمہور کو یک جان کیا
گُنگ مٹّی کو دیا بُلبلِ عرفاں کا الاپ
بے زباں قوم کو نغمہ گرِ قرآن کیا
طرزِ فریاد کو بخشی دلِ زندہ کی بہار
مجمرِ آہ کو ملہار سے گلدان کیا
زُہدِ بے رُوح کو تعلیم کئے عشق و خلوص
دیدۂ قلب کو انساں کا نگہبان کیا
تال دے دے کے دھڑکتے ہوئے ارمانوں کا
بسملِ ارض کو رقّاصِ فلک شان کیا
رازِ افلاک کے برسا دیئے انسانوں پر
ریت کے ذرّوں کو تاروں کا زباں دان کیا

پاک اقلیم کا ایّام کو نعرہ دے کر
مسئلہ شیخ و برہمن کا بھی آسان کیا

صابر آفاقی

بانگِ درا

چراغِ سیّد و حالی کی لَو فسردہ تھی
قوائے ملّی میں آنے لگا تھا اضمحلال
دلوں کی بزم میں ہر سمت روشنی پھیلی
چراغِ عزم و یقیں لے کے آ گیا اقبال

شعورِ ملّت بیضا تو مٹ چکا تھا، مگر
وجودِ ملّتِ بیضا بھی لٹنے والا تھا
سسک رہا تھا نقاہت میں نیم جاں پیکر
خیال تک بھی نہیں تھا متاعِ رفتہ کا

ترے خیال نے راہوں کو روشنی بخشی
جو محوِ یاس تھے شعر اُن کو تازیانہ ہوا
اُداس راہوں میں بانگِ درا سنائی دی
خودی شناسوں کا پھر کارواں روانہ ہوا

●

صابر جالندھری

بیادِ علّامہ اقبال

تیری نظر میں زیست کا ہر اک مقام تھا
ہر سانس میں حیات کا تازہ پیام تھا

مُردہ دلوں کو عشق کی وہ آنچ بخش دی
جس کی تپش میں نقشِ وفا کا دوام تھا

یہ معجزہ تھا تیری طلب کا کہ یک بیک
جس سمت آنکھ اُٹھ گئی گردش میں جام تھا

مرکز پہ آ گیا غمِ ہستی کا اضطراب
دراصل یہ جنونِ وفا کا نظام تھا

اقبالِ آدمی کی تمنّا رہی جسے
صابرؔ اُسی کا دہر میں اقبالؔ نام تھا

صادق نسیم

نذرِ اقبال

تِری ضیاؤں سے روشن ہوئے دلوں کے چراغ
تِری نگاہوں سے کُودے اُٹھے جگر کے داغ
یہ کس طرح کی مہک لائی ہے تِری آواز
صبائے وادیٔ بطحا ہے یا نسیمِ حجاز
فسانے "دستِ خدا" کے سنا دیئے تُو نے
کچھ اور مرحب و عنتر گرا دیئے تُو نے
کہاں پہنچ کے کہا تُو نے اے بُلند نگاہ
"خودی کا سِرِّ نہاں لاالہ اِلا اللہ"
یہ فخر اور کسی کو نصیب ہو نہ سکا
کِیا تھا ذکر جو رُومی نے تُو نے دُہرایا
عجب خلوص سے مِلّت کے غم میں رویا تُو
یہ ارضِ پاک تِری آنکھ کا ہے اک آنسو
نبیؐ کے عشق سے معمور ہے نوا تیری
فرشتے خُلد میں دُہراتے ہیں دُعا تیری
نگاہ والوں کو ہے برقِ طُور تیرا پیام
گلُوں کا رنگ ستاروں کا نُور تیرا پیام
تِری نواؤں کی جھنکار تھی نسیمِ بہار
کہ تیری آہ نے صحرا کو کر دیا گلزار

صفدر حسین صفدر

بیادِ اقبال

جشنِ افکار کا اک تاج محل ہے اقبال
نغمۂ اہلِ قلم سازِ غزل ہے اقبال
رہبرِ جادۂ اقوام و ملل ہے اقبال
شامِ کردار نہیں صبحِ عمل ہے اقبال

مثلِ پروانہ وہ ملت سے وفا رکھتا ہے
بعد مرنے کے بھی وہ اپنی بقا رکھتا ہے

روشن و سادہ ہے اقبال کی فطرت دیکھو
بے نیازی میں بھی اقبال کی طینت دیکھو
کم نظر لوگوں سے اقبال کی نفرت دیکھو
اپنے بیگانوں سے تم اُسکی محبت دیکھو

شعلۂ آتشِ نمرود بجھایا اُس نے
عقل کو عشق کا اک راز بتایا اُس نے

آج اقبال انیسِ شبِ یلدا ٹھہرا
عالمِ وجد میں عرفان کا پُتلا ٹھہرا
وقت کے ہاتھ میں وہ خامہ فرسا ٹھہرا
اپنے افکار میں اقبال ہی یکتا ٹھہرا

وہ بھی طوفاں سے نکل کر لبِ ساحل آیا!
خود ہی محمل سے نکل کر سرِ محمل آیا!

اُس نے حالات کے چہرے سے ہٹائی جو نقاب
ملت و فرد میں باقی نہ رہا کوئی حجاب
سامراجی نہ رہے اور نہ رہا اُن کا عتاب
ملی میخانۂ اقبال سے اُن کو وہ شراب

قہر کی آگ سے دامن کو بچایا اُس نے
نارِ افلاس کو گلزار بنایا اُس نے

آج ممنون ہیں اقبال کے اربابِ نظر
یاد کرتا ہے اُسے دہر میں ہر فرد و بشر
پیش صفدر نے کیا وقت پہ جب خونِ جگر
اس کے سینے میں بھی روشن ہوا دانش کا قمر

جشنِ اقبال ستتر میں منایا ہم نے
اپنا اخلاص بھی اِس سال دکھایا ہم نے

صفیہ شمیم ملیح آبادی

نذرِ اقبال

السلام اے افتخارِ ملک و ملت السلام
السلام اے شہر یارِ علم و حکمت السلام

اے شہنشاہِ سخن اے تاجدارِ انجمن
اے خطیبِ نکتہ داں اے شاعرِ شیریں سخن

دعوتِ ذوقِ سفر تیرا پیامِ دل نشیں
گرمیٔ بزمِ عمل تیرا کلامِ آتشیں

ڈوبتے تاروں کو تُونے ضوفشانی بخش دی
قومِ مُردہ کو حیاتِ جاودانی بخش دی

تُونے ہر اشکِ تمنّا کو تبسّم کر دیا
نالہ و فریاد کو غرقِ ترنّم کر دیا

تیرے ہر اک لفظ میں شعلے کی سی تاثیر تھی
تیری ہستی قومِ مُردہ کے لئے اکسیر تھی

تُونے روشن کر دیئے تاریک سینوں میں چراغ
دل تو دل بیدار تُونے کر دیئے خفتہ دماغ

جوہرِ نورِ خودی تُونے نمایاں کر دیا
زندگی کو روشناسِ حُسنِ عرفاں کر دیا

تیرا اعجازِ تکلّم الحفیظ و الاماں
جاگ اُٹھی نغموں سے تیرے محفلِ کون و مکاں

تُونے روشن کر دیئے نقش و نگارِ زندگی
بخش دی تُونے گلستاں کو بہارِ زندگی

مُنکشف تُونے دلوں پر رازِ عظمت کر دیا
رُوحِ انسانی کو معمورِ حقیقت کر دیا

زندگی کا سوز تیرے سازِ آفاقی میں ہے
اک عجب کیفِ خودی تیری مئے باقی میں ہے

کون کہتا ہے کہ تیری آہ بے تاثیر ہے
صبحِ پاکستان تیرے خواب کی تعبیر ہے

وسعتِ افلاک تیرے نقشِ لافانی میں ہے
نغمۂ الہام تیرے سازِ لاثانی میں ہے

موت تیرے عالمِ ہستی پہ چھا سکتی نہیں
آندھیوں میں شمعِ عظمت جھلملا سکتی نہیں

صوفی تبسّم

اقبال

سُونی سُونی تھی پڑی ارضِ کُہن برسوں سے
مضمحل سے تھے در و دشت و دمن برسوں سے

ایک سناّٹے میں ڈوبی تھی فضائے گردوں
اک روش پر تھا زمانے کا چلن برسوں سے

نہ کہیں گُل ہی مہکتا نہ چٹکتی تھی کلی،
ایسے ویران تھے ایوانِ چمن برسوں سے

دم بخود سی نظر آتی تھیں حسیں آوازیں
سخت افسردہ تھی دنیائے سخن برسوں سے

"نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شُد
حُسن لرزیدہ کہ صاحب نظرے پیدا شُد"

اس کے آتے ہی اُمنگوں کی فضا جاگ اُٹھی
آرزوؤں کے مچلنے کی ادا جاگ اُٹھی

اس کی آواز سے پھر زیست کا نغمہ اُبھرا
ہر رگِ ساز میں اک تازہ نوا جاگ اُٹھی

وہ چلا رہ کہ کُھلیں راہ رووں کی آنکھیں
کارواں چونک پڑا بانگِ درا جاگ اُٹھی

صہبا اختر

اقبال

صرف شاعر نہیں اقبال اک آواز ہے — جو فرشتوں کو ملے وہ قوتِ پرواز ہے
جو تکلم سے سوا ہے اس تکلم کا فسوں! — جو ورائے فکر ہے اُس فکر کا اعجاز ہے
شہر یارانِ سخن میں کل بھی تھا وہ سرفراز — شہر یارانِ سخن میں آج بھی دمساز ہے
لفظ کو گویائی دی جس کے لبِ جاں بخش نے — نام جس کا نازشِ اُردو بنا وہ ناز ہے
یہ فقط دعویٰ نہیں خود فیصلہ ہے فکر کا — یہ فقط میری نہیں اس عہد کی آواز ہے

وہ ہے آفاقِ سخن میں آفتابِ شاعری!
نیست پیغمبر و لے دارد کتابِ شاعری!

جو غلامی سے شبِ معراج کی تھا تابناک — ایسا سورج ہو نہیں سکتا کبھی پیوندِ خاک
جس کے اِک اک شعر میں بنتا ہے ضربِ کلیم — جس کے اک اک لفظ میں بے خوابیِ روحِ تپاک
کیا سلاطینِ جہاں کے سامنے ہوتا خموش — خود حضورِ حق نہیں تھا عرضِ حق میں جس کو باک
تنگ تھی جس کی نظر میں ہر قبائے انبساط — تا دمِ آخر رہا جو سوزِ غم سے سینہ چاک
فخر کر اس کی تجلی پر شبستانِ وطن — قدر کر اُس کے مزارِ نور کی اے ارضِ پاک

چاندنی ایسی کسی گلشن میں کھلتی ہے کہاں؟
دیو قامت شخصیت بونوں میں ملتی ہے کہاں؟

خود حُدی خواں خود سفر ہے خود جرس خود قافلہ
اس کی عظمت بڑھ رہی ہے فاصلہ در فاصلہ

عاجزی سے خود رسولِ حق کا دامن تھام کر
پیش کرتا تھا خدا کے سامنے جو ہر گلہ

جو غلامی کے اندھیروں میں جلا مثلِ چراغ
ہے یہ اقلیمِ سحر بھی اُس کی راتوں کا صلہ

اک صدائے مستقل ہے اسکی فکرِ بے کراں
ٹوٹ سکتا ہی نہیں اس کے سخن کا سلسلہ

قطع ہو سکتا ہے کب اس کا بیاں جس کا کلام
اک مسلسل شُعلگی ہے اک مسلسل حوصلہ

نام اُس کا ماورائے گردِ ماہ و سال ہے
وہ جو کل اقبال تھا اب بھی ہمہ اقبال ہے

ضمیر جعفری

آہ شاعرِ مشرق

بجلی سی ایک طُور پہ لہرا کے چُھپ گئی
آبِ لبِ فرات کو تڑپا کے چُھپ گئی
یخ بستگانِ ہند کو گرما کے چُھپ گئی
سینوں میں کتنے دل تھے کہ دھڑکا کے چُھپ گئی
ہے قدسیوں میں بھی تیرے مرنے کی آہ دھوم
روتی ہے تیرے واسطے اقبال روحِ رُوم

اقبال آہ شاعرِ بیباکِ ایشیا
روتی ہے تجھ کو آج تیری خاکِ ایشیا
ماتم کُناں ہے آہ دلِ چاکِ ایشیا
گرمِ فغاں ہے سب خس و خاشاکِ ایشیا
شعلہ تھا اک بھڑک کے جو روپوش ہو گیا
لو آج سازِ رُوم بھی خاموش ہو گیا

سازِ عجم میں سوزِ حجازی تھا نغمہ ریز
گرما گئی دلوں کو یہ تیری نوائے تیز
ہر لفظ حشر ساز تھا ہر حرف حشر خیز
مُردہ دلوں کو بخش دیا جذبۂ ستیز
گرما کے قلب زادۂ توحید کا لہو
جا زینتِ بہشت ہوا آہ آج تُو

ہے نقش دل پہ شاعرِ مشرق کی بات بات
وہ زندگی کا فلسفہ وہ موت کے نکات
مجموعۂ صفات تھی اقبال تیری ذات
اُمت کی موت شاعرِ اُمت تیری وفات
مرنا ترا نہیں ہے فقط شاعری کی موت
مرنا ہے ایک قوم کا اقبال تیری موت

"یزداں شکار" تیرے تخیل کی تھی کمند
ملت کے غم سے چُور تھا تیرا ہر ایک بند
ہائے وہ تیرا فقرہ وہ "طبع جنوں پسند"
نازاں ہے جس پہ خاکِ بخارا و سمرقند

مرنے سے تیرے سینۂ پنجاب چاک چاک
اور بے قرار یثرب و بطحا کی خاکِ پاک

اقبال کائنات کے سینے کا "راز فاش"
مرنے سے اس کے سینۂ یزداں میں بھی خراش
اور قلبِ قومِ مسلم گریاں ہے پاش پاش
کچھ روز اس کو موت نہ آتی ضمیر کاش

یہ باغ اور پھولتا پھلتا تو خوب تھا
کچھ دن ابھی چراغ یہ جلتا تو خوب تھا

ہر چند اب زمیں پہ نہیں ہے ترا قیام
افلاک پر ہے شاعرِ مشرق کا اب قیام
محفوظ دل میں ہے مگر اقبال تیرا نام
کانوں میں گونجتا ہے ابھی تک ترا پیام

ہر شعر تیرا غیرتِ ناہید ہو گیا
اقبال مر کے زندۂ جاوید ہو گیا

ضیاالحسن ضیا

شاعرِ مشرق

اے نقیبِ ارتقا اے محرمِ رازِ حیات
اے حکیمِ شرق اے دانائے رمزِ کائنات
اے شناسائے مقاماتِ خودی و آگہی
تُو نے بخشا قوم کو سرمایۂ عزم و ثبات
تُو نے محکومی کے ظلمت آفریں حالات میں
اپنے نغموں سے درخشاں کی وہ قندیلِ حیات
جس کی تابانی نے بینائی کو خیرہ کر دیا
شاعرِ مشرق ترے حُسنِ تکلّم پر نثار
بھر دیئے جس نے رگ و پے میں نئے برق و شرار
جذبۂ ایثار نے راہِ طلب کو پالیا
جرأتِ بے باک نے توڑا غرورِ شہر یار
دورِ محکومی کے ذِلّت خیز سائے ڈھل گئے
آ گئے دامِ قضا میں ظلمتوں کے برگ و بار
زیست کے ماتھے پہ آزادی پُر افشاں ہو گئی

طالب انصاری بدایونی

اقبال

راہیِ فردوس اقبالِ خوش الحاں ہو گیا
یہ زمیں کا چاند زیرِ خاک پنہاں ہو گیا

دے گیا اہلِ نظر کو دائمی فرقت کا داغ
بجھ گیا ارضِ وطن کے علم و حکمت کا چراغ

ہو گیا رخصت جہاں سے شاعرِ عالی مقام
پیشوائے مُلک و ملّت شعر و حکمت کا امام

اے جواں ہمت ابھی کچھ دن تجھے مرنا نہ تھا
جانبِ مُلکِ عدم تجھ کو سفر کرنا نہ تھا

دیکھتے ہی دیکھتے تُو اس جہاں سے اُٹھ گیا
قوم کے اقبال کی صورت یہاں سے اُٹھ گیا

گتھیاں اب اے سیاست تیری سلجھائے گا کون
ساحری میں کا رنگ دکھلائے گا کون

شعر کے پردے میں ہو کر نغمہ سنج و نغمہ ساز
مُلک کو اپنے سکھائے تُو نے خود داری کے راز

تیری ہستی تھی زمانے میں سراپائے کمال
عظمتِ انساں کا زیور آدمیت کا جلال

تُو نے بزمِ شعر میں اس سوز سے چھیڑا تھا راگ
آتشیں نغموں سے تیرے لگ گئی سینوں میں آگ

تیرا ہر نغمہ نوائے غیر فانی ہو گیا
سوز انگاروں میں تیرے جاودانی ہو گیا

شاعری میں کس بلندی پر نظر آتا ہے تُو
دیکھتا ہوں میں تجھے شمس و قمر کے رُوبرو

آسمانوں کی طرف تُو مائلِ پرواز ہے
جبرئیل نامہ بر شاید ترا ہمراز ہے

تیری خلوت گاہ ہے یہ لالہ زارِ آسماں
ہم سخن ہے ماہ تیرا ہم نوا سیّارگاں

تُو نے بزمِ شعر میں وہ گُل کھلائے لاکلام
صفحۂ ہستی سے مٹ سکتا نہیں ہے تیرا نام

گردشِ نیلوفری تجھ کو مٹا سکتی نہیں
تیرے احساں کو کبھی دُنیا بھلا سکتی نہیں

تُو جہاں میں قوم کی غم خوارگی میں فرد تھا
دل نہ تھا سینے میں تیرے دو جہاں کا درد تھا

ڈوبتے دیکھا جو تُو نے قوم کا اپنی جہاز
آ گیا تیری زباں پر شکوۂ سوز و گداز

فکرِ روشن ہے تری نورِ نظر میرے لئے
اور ترے اشعار ہیں لعل و گہر میرے لئے

آبِ حیواں موتیوں میں ہے وہ گوہر میں نہیں
یہ جواہر تو نہیں ملتے ہیں معدن میں کہیں

فنِ شعر و شاعری کو ساحری تُو نے کیا
نغمۂ ہندی کو رشکِ پارسی تُو نے کیا

فخرِ ملّت قبر پر تیری خدا رحمت کرے
اپنے قربِ خاص میں تجھ کو عطا جنّت کرے

طاہر احمر

اقبالؔ کے حضور

ہر گوشۂ چمن سے گُل افشاں گذر گیا
شاعر تیری نوا سے یہ موسم سنور گیا
ایسی اذاں تھی تیری اذاں جس کے نُور سے
افرنگِ سامری کا سبھی کرّو فر گیا
فصلِ بہار لایا تُو اُجڑے دیار میں
بادل شفق کا رنگ زمینوں میں بھر گیا
بانگِ درا کو سُن کے چلے کتنے کارواں
ضربِ کلیم کا وہ اُجالا جدھر گیا
افریشیا، جواں تری شعلہ نوائی سے
مشرق کی رُوح میں ترا نغمہ اُتر گیا
لرزاں ہے سامراج کا کہنہ صنم کدہ
وہ ولولہ جہاں میں ہر اک سُو بکھر گیا
"ایسی نظر کہاں تھی جو تجھ تک پہنچ سکے"
لیکن ترے کلام سے ہر دل نکھر گیا
تیری نوائے صبح سے اقبالؔ یہ چمن
سوزِ جمالِ عظمتِ آدم سے بھر گیا

احمرؔ، صدائے عظمتِ محنت کشاں سُنو!
وہ دورِ قیصری و سکندر کدھر گیا

طاہر تونسوی

رُوحِ آدم کا مسیحا

مجھے خبر ہے
یہ میرے وجدان نے کہا ہے
وہ علم کا بے کراں سمندر
وہ عقل و دانش کا اِک شجر ہے
وہ جس کی شاخوں نے فہم و ادراک کو بھی جوشِ جمال بخشا ہے
چاندنی کے کنول اُگائے ہیں تیرگی میں
طلسم توڑا ہے ظلمتوں کا
نئی سحر کا شعور اُبھرا کہ اُس نے
ہر لفظ کے معانی بدل دیئے ہیں
مجھے خبر ہے
کہ جس نے بانگِ درا کی صورت
پیام بخشا ہے خضرِ رہ کا
وہ جس کی ضربِ کلیم نے ہم کو خوابِ غفلت سے یوں جگایا
کہ ہم نے زنجیریں توڑ ڈالیں
مجھے خبر ہے
پیامِ مشرق سے جس نے سوزِ دروں کا ہم کو پتہ بتایا

وہ ارمغانِ حجاز اس کا پیام بن کر جہاں میں آئی
پیام جس نے ہمارے ذہنوں میں فلسفے کا
ہر ایک عقدہ کُشا کیا ہے
مجھے خبر ہے
کہ پھر ہماری ہدایتوں کے لئے اُسی نے
وہ بالِ جبریل کا نشانِ عظیم بخشا
مجھے خبر ہے
کہ موجِ خلالیب بھٹک رہی تھی خلا کی بے پایاں وسعتوں میں
زمیں پہ اُتری
تو اُس نے اقبال نام پایا

●

طاہر حنفی

مجسمۂ خودی

(علامہ اقبال کے نام)

پھولوں کے ریشم میں لپٹا
اک تیرا بے داغ بدن ہے
جس نے ہم کو جسموں کی پہچان کا لمحہ دے کر ــــــــ آنکھ عطا کی
رنگوں کا آکاش دیا ہے

تیرے اک بے داغ بدن میں
پھوٹتے سورج کی کرنیں تھیں ــــــــ صبح کی ٹھنڈک، دھوپ کا روشن اُجیارا تھا

سورج کی کرنوں سے پہلے
ہم جسموں کے دھبّے تھے اور بے چہرہ سے غول بیاباں، راہوں کی اک
دھول بنے تھے

ہم اعضا تھے
لیکن اپنے جسم کی گرمی، دکھ کی سردی، خون کی رنگت سے عاری تھے
روحوں کے آفاق میں گم سم ہم زندہ تھے
لمحوں کی بے درد سیاہی کنڈل مارے جسم اور جاں سے خوں لیتی تھی
دونوں آنکھیں

چہرے پر تھیں لیکن اُن کے آگے آگے پاؤں کی آواز نہیں تھی
سمتوں کی جھنکار نہیں تھی
ہم سوتے تھے
تیری آنکھیں جاگ رہی تھیں

تو نے ہم کو اپنے ہونے، مر کر جینے، زندہ لمحے کا آدرش دیا ہے
یہ دھرتی تو بانجھ تھی لیکن
اس دھرتی کی کوکھ میں تو نے خون کے آنسو، شاخِ انا اور بیج خودی کے بوئے
اب یہ دھرتی میری زمیں ہے
اس دھرتی پر زندہ لہو کا رنگ بکھرا ہے
سوچ کی تازہ فصلیں بھی ہیں ——— فکر کے پھل ہیں

اس دھرتی پر ہم اپنی پہچان کا جھنڈا گاڑ چکے ہیں
شاعرِ مشرق
تیرے لفظوں کی چاندی نے، آنکھ کو منزل
دل کو حسنِ ذوقِ عمل کی گرمی دی ہے
اب ہم تیرا عکسِ انا ہیں
اب ہم تیری سچائی کے پھول بنے ہیں، ان پھولوں نے ہر گلشن کو مہکایا ہے
ہم ملبوسِ خودداری ہیں
ہم خوشحال زماں میں جی کر خوش منظر امکاں کا دکھ ہیں
گزرے لمحے کا اک سکھ ہیں

اب ہم سُرخ لہو کی روشن تفسیریں ہیں
تنویریں ہیں
سُرخ لہو تکمیلِ انا کی، زندہ دکھوں کی ایک علامت! بہتا ساگر
بہتا ساگر ہر ساعت کی اک دھڑکن ہے
یہ دھڑکن ہے گیت ہمارا
ہم شہباز ہیں پاکستانی، پاکستان ہمارا
گیت کی خوشبو بہتے ساگر سے نکلی ہے

شاعرِ مشرق
وقت نے نازک کندھوں پر اک بوجھ دھرا ہے
ہم نے بھاری بوجھ اٹھا کر قرض چکایا
ذہنوں کو آرام دیا ہے
شاعرِ اعظم
تیرے قرض کا بوجھ بھی اک دن یوں اترے گا
زندہ نسلیں لہرائیں گی
آنے والے طوفانوں سے ٹکرائیں گی

●

طفیل ہوشیارپوری

اقبال

اے شاعرِ فردوس نشیں نازشِ اسلام
جھک جاتا ہے سر، لب پہ جب آتا ہے ترا نام

اللہ رے وہ وسعتِ پروازِ تخیّل
پایا نہ کسی نے ترا اندازِ تخیّل
دُنیا کے تخیّل کی رسائی ہے فلک تک
اور تیرا فلک سے ہوا آغازِ تخیّل

سمٹے ہوئے تھے کون و مکاں تیری نظر میں
یہ وسعتیں ہوتی ہی نہیں چشمِ بشر میں

دانائے یگانہ شہِ اقلیمِ معانی
ہے اپنی مثال آپ ہی تیری ہمہ دانی
غوّاصِ خرد کھائے نہ کیوں غوطے پہ غوطہ
گہرا ہے ترے بحرِ خیالات کا پانی

ہر لفظ ہے آئینہ تری دیدہ وری کا
ہر شعر ہے شاہد تری بالغ نظری کا

تہذیبِ فرنگی کی پرستار تھی دُنیا
پھندے میں تعیّش سے گرفتار تھی دُنیا
الحاد کی مے مفت ہی بٹتی تھی جہاں میں
مخمور تھی، مدہوش تھی سرشار تھی دُنیا

ہر سمت غلامی کی گھٹا چھائی ہوئی تھی
اک ظلم کی آندھی تھی کہ لہرائی ہوئی تھی

مجبور تھے افکار پہ زنجیر کڑی تھی ناچار تھے گفتار پہ زنجیر کڑی تھی
لب بند، زباں بند، نظر بند، قلم بند کیا کرتے کہ کردار پہ زنجیر کڑی تھی
سینوں میں جواں غیرتیں دم توڑ چکی تھیں
فولاد شکن ہمتیں جی چھوڑ چکی تھیں

اے قوم کے اقبال تری بانگِ درا نے دہرائے وہ بھولے ہوئے ماضی کے فسانے
سن کر جنھیں رقصاں ہوئے ہستی کے لبوں پر انسان کی بیداری کے آزاد ترانے
ہر شعر چھلکتا ہوا اک جام خودی کا
ہر بند پھڑکتا ہوا پیغام خودی کا

جینے کا یہ گر تو نے غلاموں کو سکھایا تقدیر کو تدبیر کے قدموں پہ جھکایا
اے مردِ مسلماں تری جرأت تھی کہ تو نے سوئی ہوئی ملت کو یہ پیغام سنایا
جو جھکتا ہے اور اس کو جھکا دیتی ہے دنیا
یوں قعرِ مذلت میں گرا دیتی ہے دنیا

تیری، غمِ اسلام میں روتی رہیں آنکھیں یوں اپنی بصارت کو بھی کھوتی رہیں آنکھیں
چن چن کے گلِ تازہ سرشکوں کے چمن سے آزادی کا اک ہار پروتی رہیں آنکھیں
ان آنکھوں کا صدقہ ہے کہ بیدار ہے ملت
کھوئی ہوئی عظمت کی طلبگار ہے ملت

ظفر ابنِ متین

شاعرِ مشرق

ادب کے تاج محل، اے سخن کے مصر کے نیل
بلند تیرے خیالات، تیری فکر جمیل
ترا کلام شگفتہ متاعِ اہلِ جنوں
تری نوائے صداقت سرودِ جبرائیل

تری اذاں سے ہُوا خفتہ کارواں بیدار
ترا پیامِ عمل قافلے کو بانگِ رحیل
یہ مملکت، یہ ترے خواب کی حسین تعبیر
یہ سرزمین، ترے دعویِٰ خرد کی دلیل

حروفِ حق کے مفسّر، حکیمِ درویشاں
بلند تر ہے صفِ قُدسیاں سے تیرا مقام
فریب گو تجھے اہلِ فرنگ دیتے رہے
مگر ترے دلِ پُرسوز کو نہ کر سکے رام

نظر میں آج بھی تو اس طرح سمایا ہے
کہ جیسے صحنِ چمن میں ہوا بھی محوِ خرام
حصارِ ظلمتِ شب سے کوئی ہراس نہیں
کہ اب ہے مشعلِ راہِ وفا ترا پیغام

غموں کی دُھوپ میں ہم تو جھلس گئے ہوتے
مگر سنوار گئی تیرے فکر کی شبنم

بسا ہے صحن ترے پُر بہار پھولوں سے
کھُلا ہے تیری ضیا بار سوچ کا پرچم

کہیں پہ فقر کی مستی کہیں خودی کی ترنگ
نہ کج کلاہ کی پروا نہ شہر یار کا غم

تمیزِ بندہ و خواجہ بھی مٹنے والی ہے
بفیضِ اُسوۂ حسناتِ سرورِ عالمؐ

حکیمِ ملّتِ مُسلم، مفکّرِ اعظم
ترے کلام نے بخشی ضیاء نگاہوں کو

ترا کلام اویسی، قلندرِ مشرق
پیامِ مرگِ مناجات کجکلاہوں کو

بجا کہ تُو نے نیا جوش بھر دیا ہم میں
تری نوا سے مِلا ولولہ سپاہوں کو

ہنوز منزلِ اعلیٰ نظر سے اوجھل ہے
اُجالنا ہے ابھی اور شاہراہوں کو

ظفر عالمگیر

مجتہدِ عصرِ جدید

شاعرِ شعلہ نوا مجتہدِ عصرِ جدید!
تیرے افکار پہ اربابِ وطن ہیں نازاں
دامنِ شعر کو بخشے وہ ستارے تو نے
غیر بھی جن پہ چڑھاتے ہیں عقیدت کے پھول
وہ صنم فکر کے تیشے سے تراشے تو نے

شاعرِ شعلہ نوا، مجتہدِ عصرِ جدید!
صورتِ شمع ہے روشن ترا ہر داغِ جگر
بزم کے ایک نئے دور کا آغاز ہے تو
دل دھڑک اٹھتے ہیں اب بھی ترے نغمے سن کر
قوم کے درد نے چھیڑا جسے وہ ساز ہے تو

شاعرِ شعلہ نوا، مجتہدِ عصرِ جدید!
اہلِ دل چونک اٹھے سن کے تری بانگِ درا
لے چلا قافلے والوں کو تو منزل کی طرف
ناخدا بن کے بڑھاتا ہی گیا طوفاں میں
اک شکستہ سے سفینے کو تو ساحل کی طرف

شاعرِ شعلہ نوا، مجتہدِ عصرِ جدید!

کبھی کلیوں کو صبا بن کے ہنسایا تُو نے
بن کے طوفاں کبھی ٹکرایا ہے طوفانوں سے
کام جو کر نہ سکے ہوش میں رہنے والے
تُو نے کروا دیئے وہ کام بھی دیوانوں سے

شاعرِ شعلہ نوا، مجتہدِ عصرِ جدید!

کیا ہے وہ؟ کون سا جادُو ہے ترے نغموں میں
مدّتوں سے تھے جو غافل اُنھیں بیدار کیا
ایک نعمت جو سمجھتے تھے قفس کی راحت
آشیانے سے بھی تُو نے اُنھیں بیزار کیا

شاعرِ شعلہ نوا، مجتہدِ عصرِ جدید!

بزمِ ہستی میں سدا گونج رہے گی تیری
وہ ترنّم ہے، وہ نغمہ ہے وہ آواز ہے تُو
لوحِ ہستی سے مٹیں گے نہ کبھی تیرے نقوش
نوعِ انساں کے لئے باعثِ صد ناز ہے تُو

شاعرِ شعلہ نوا، مجتہدِ عصرِ جدید!

ظفر علی خاں

آہ اقبال

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا
اسلام کے سر پر ہے قیامت کا گزرنا

کلکتہ و کابل میں بچھی ہے صفِ ماتم
اس غم میں سیہ پوش ہیں بغداد و سمرنا

تھا اُس کے تخیّل کا فسوں جس نے سِکھایا
سو سال کے سوتے ہوئے جذبوں کو اُبھرنا

ہر روز دیا اُس نے مسلماں کو یہی درس
ہرگز نہ کِسی سے بجز اللہ کے ڈرنا

مِلّت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

(کلکتہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء)

ظہور ملک

اقبال

"ایک تاثر"

اقبال ہے مردِ دانائے راز
رمز آشنائے حدیثِ ملل
عجم کے چمن کی نسیمِ حجاز
مشیّت نے جس کو کیا تھا عطا
سنائی و رُومی و خسرو کا سوز
جہاں کو دیا جس نے درسِ خودی
خودی کیا ہے ؟
وجودِ خدا سے خودی کا وجود
نمودِ خدا سے خودی کی نمود
خودی ہے وہ دریا ازل سے جو ہے بیکراں
خودی کی حفاظت بنی اصل ایماں
خودی لازوال
خودی سے لرزتا ہے دستِ اجل
خودی کے ساز میں ہے عمرِ جاوداں کا سُراغ
خودی کا گلستاں میں نغمہ سُنا کر
دلوں کو وفا سے کیا آشنا

ترے جوشِ کردار سے کُل جہاں پر
کھلے راز تقدیر کے
یقیں کی متاعِ عظیم
عشق کا گوہرِ بے بہا
ہُوا تھا خدُا سے جو تجھ کو عطا
تمدّن کی تصویر تُو
تصوّف کی تنویر تُو
ترے فقر سے یہ جہاں پر کھُلا
راز ہے زندگی راز ہے زندگی
سوز ہے اور کبھی ساز ہے زندگی
اک جہانِ تگ و تاز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

ضمیر احمد ظہیر

ترجمانِ رسول

اے شناسائے اخوت، رازدارِ آگہی — قوم کو تُو نے دکھائی ہے خودی کی رَوشنی
تُو محمدؐ کے کلامِ پاک کا ہے ترجماں — بندۂ خاکی سے تیرے وصف ہوں کیسے بیاں
تُو نے بخشی ہیں جہاں کو دھڑکنیں احساس کی — ہو گئی ہیں دُور جن سے سب گھٹائیں یاس کی
تیری سوچوں کو ملا ہے اس جہاں میں وہ مقام — جن کو قومیں چھو کے پیدا کرتی ہیں دنیا میں نام
تُو بہاروں کی ادا ہے اے چمن کے رازداں — تُو نشاطِ زندگی کے واسطے روشن نشاں
کوثر و تسنیم کے ڈھالے ترے اشعار ہیں — جن سے دُنیا جگمگائے وہ ترے افکار ہیں
تُو نے بخشی ہے اندھیروں کو اُجالوں کی سحر — کور چشموں کو عطا کی ہے وفاؤں کی نظر
تجھ سے روشن ہیں دیارِ لالہ و سرو و سمن — تجھ سے قائم ہے جہانِ آگہی کا بانکپن
ملّتِ بے کارواں کے واسطے ہے راہبر — تُو نے بخشا ہے ہمیشہ قوم کو عزمِ سفر
آدمیت مُنہ چھپا کر آج روتی ہے یہاں — آج پھر تیری کمی محسوس ہوتی ہے یہاں

بھول کر افکار تیرے سانحہ کیسا ہوا
منتشر پھر ملّتِ بیضا کا شیرازہ ہوا

قوم پھر کرنے لگی ہے امتیازِ رنگ و بُو — مل رہی ہے خاک میں انسانیت کی آبرو
گمرہی کا جال پھیلا پھر وفا کے شہر میں — ایسا اندھیرا کبھی چھایا نہ تھا اس دہر میں

اک عقابی رُوح کی ہے منتظر تیری نظر
"نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر"

عابد علی عابد

اقبال

جب خزاں تھی پتّے پتّے کے لئے پیغامِ موت
تجھ کو وہ ہنگامہ اے فصلِ بہاراں یاد ہے

جب فضائیں شعلہ پرور تھیں ہوائیں دردناک
تجھ کو وہ منظر بھی اے صحنِ گلستاں یاد ہے

سینۂ گیتی پہ لہراتے تھے جب ظلمت کے سانپ
کچھ تجھے وہ ماجرا اے صبحِ خنداں یاد ہے

جب مری دنیا میں تجھ کو اذنِ تابانی نہ تھا
تجھ کو وہ اندھیرا اے مہرِ درخشاں یاد ہے

جب بجھے جاتے تھے سینے میں امیدوں کے چراغ
وہ جو اک قندیل تھی تنہا فروزاں یاد ہے

جب لبوں پر ہیبتِ اغیار تھی مہرِ سکوت
وہ جو تھا بے باک و بے پروا غزل خواں یاد ہے

خوفِ سلطانی سے جم جاتا تھا جب دل میں لہو
فاش کرتا تھا جو رازِ میر و سلطاں یاد ہے

مہر و مہ ڈھلتے تھے جس کی کارگاہِ فکر میں
وہ قلندر تجھ کو اے گردونِ گرداں یاد ہے

اے وطن کی سرزمیں اے مرکزِ ایمان و دیں
تجھ کو وہ ناموسِ ملت کا نگہباں یاد ہے

اے زمینِ پاک اے لاہور اے ارضِ قدیم
تجھ کو اپنے آسماں کا مہرِ تاباں یاد ہے

سجدہ گاہِ عاشقاں اے مسجدِ اورنگ زیب
تیرا ہمسایہ ہے اک مردِ مسلماں یاد ہے

اے ملوکیت تجھے با وصفِ صد جاہ و جلال
وہ جو اک نشتر تھا پیوستِ رگِ جاں یاد ہے

عارف سنبھلی

علامہ اقبال

جب آسماں پہ مہرِ درخشاں ہوا طلوع
ٹوٹا طلسم رات کا کرنوں کے جال سے
شیرازۂ نجومِ سحر بھی بکھر گیا
آگاہ ہو گئے جب اندھیرے مآل سے
فطرت نے ایک پیکرِ حکمت بنا دیا
انوار لے کے سلسلۂ ماہ و سال سے
اک تاجِ پُر شکوہ اسے کر دیا عطا
کچھ دے کے اُس کو اپنے ہی رنگِ جمال سے
اُس کا چراغ سوزِ الم سے جلا دیا
کچھ گرمیاں سمیٹ کے اپنے جلال سے
دروازے اعتبارِ حقیقت کے کھول کر
اُس کو بلند کر دیا خواب و خیال سے
تاریکیوں کو نور میں تبدیل کر دیا
اک چودھویں کا چاند بنایا ہلال سے
کچھ گلشنِ جناں سے اُڑا کر خودی کی بُو
لیں مستیاں نسیمِ بہاری کی چال سے

جب ایسی عظمتوں سے وہ خوشحال ہو گیا
اقبال اور صاحبِ اقبال ہو گیا

مُسلم کو اُس نے تازہ وطن کا دیا پیام
پیدا سفر کا نُقطۂ آغاز کر دیا
رنگت ملی تصوّرِ برِّ صغیر کو
قوم و وطن کو باعثِ صد ناز کر دیا
محبوس ہر تعصّبِ بد خواہ ہو گیا
آزادئ حیات کا در باز کر دیا
ظاہر ہوئی دلوں میں حصولِ وطن کی لَو
پیدا نفس میں تیغ کا انداز کر دیا
آزادئ وطن کے ترانے بکھر گئے
اہلِ چمن کو زمزمہ پرواز کر دیا
کیں اتّحادِ خاص نے شیرازہ بندیاں
ہر اختلاف کو نظر انداز کر دیا
دام و قفس کا صحنِ چمن میں اُڑا دھواں
یوں آشنائے رفعتِ پرواز کر دیا
گونج اُٹھیں ہر طرف وطنِ پاک کی حدیں
رُوح القدس کو دل کا ہم آواز کر دیا
ظرفِ قدیم توڑ کے بادہ پرست کا
اک اَور دَورِ جام کا آغاز کر دیا

اقبال کی نگاہ کا اعجاز دیکھیے
عارف اس ارضِ پاک کو ممتاز کر دیا

عارف سیمابی سیالکوٹی

مصوّرِ پاکستان

جگمگائے ذہنِ افسردہ میں انوارِ حیات
جاگ اُٹھے قلبِ خوابیدہ میں آثارِ حیات
بے حسی کی برف پگھلی عزم کی کلیاں کھلیں
جب سنائے صدقِ دل سے تو نے اشعارِ حیات

تو نے صحت مند بنیادوں پہ کی تعمیرِ قوم
مردِ خود آگاہ اے مردِ نگاہِ دور رس
اے پیامِ صبحِ آزادی بہارِ گل فشاں
دشمنِ دامِ فرنگی، حامیِ اہلِ قفس

حسنِ توں سے گلستاں میں اس طرح آئی بہار
یہ سسکتی زندگی لینے لگی انگڑائی سی
یوں نئی روحِ عمل پھونکی تنِ ماحول میں
قلب کی گہرائیوں میں گونج اٹھی شہنائی سی

کروٹیں لینے لگا دل میں خیالِ آبرو
گرمیِ سوزِ خودی سے کھول اُٹھا پھر لہو
دور اُفق پہ مسکرائے آرزوؤں کے کنول
ذہن نے تعمیر کی اک خلد زارِ رنگ و بو

داستانِ جنگِ آزادی کا تو عنوان ہے
ملّتِ اسلام پر تیرا بڑا احسان ہے
اس حقیقت کی کوئی تردید کر سکتا نہیں
تیرے رنگیں خواب کی تعبیر پاکستان ہے

باوجودِ سعیِ صرصر آج بھی ہیں ضو فگن
تو نے جو روشن کیے تھے راہِ ہستی میں چراغ
اُن پہ جادو چل نہیں سکتا کسی ابلیس کا
فی الحقیقت پا چکے ہیں جو حقیقت کا سُراغ

مطلقاً تو نے بدل دی شاہراہِ علم و فن
رہنمائے جادۂ نو اے امیرِ کارواں
اے کہ تو نے شاعری سے بھی لیا کارِ مفید
صاحبِ بانگِ درا، ضربِ کلیم و ارمغاں

عارف عبدالمتین

علامہ اقبال

تُو اک موج تھا، جس کا سینہ سمندر کے ہیجان سے آشنا تھا،
سمندر نہ تھا تُو مگر خود سمندر میں ڈھلنے کو بیتاب تھا،
ازل سے تگ و تازِ پیہم سے تیرے رگ و پے شناسا رہے تھے،
کہ تُو جانتا تھا،
تگ و تازِ پیہم سے بے اعتنائی تری موت ہے،
اور تجھ کو کسی رُوپ میں موت اپنی گوارا نہ تھی!

کبھی موت ساحل کے بہروپ میں تیری جانب اگر بھول کر آ گئی،
تو تُو نے اُسے اپنی سیماب قدمی کی دہشت تلے روند ڈالا،
یہ فیضان تھا تیری اس پیش رفتِ حسیں کا کہ آخر،
ابد تیری جولانیوں کی ستائش کو آگے بڑھا،
اور تجھکو سمندر کی وسعت، سمندر کی گہرائی سے بہرہ ور کر گیا!

تُو پلٹا تو اپنی تگ و تاز کے اُجلے اعزاز کو،
اپنے بولوں کا امرت بنا کر،
ہماری سماعت کے خوابیدہ ساغر میں چھلکا گیا،

وہ بولوں کا امرت کہ ہم جس کے جرعوں سے سرشار ہو کر،
جھٹکتے ہوئے سالہا سال کی بے حسی کو،
بہ عزمِ رواں، منزلِ ضوفشاں کی طرف چل پڑے!

آغاز

ہمیں منزلِ ضوفشاں مل چکی ہے،
مگر ہم تو بولوں کے امرت کی سیّال تاثیر سے،
جادۂ نو بہ نو پر دما دم پیاپے چلے جا رہے ہیں،
کہ ہم خود تری طرح اس موج میں ڈھل چکے ہیں،
جسے آگہی ہے،
قیام ایک پل کا بھی مرگ آفریں ہے،
سمندر کی وسعت، سمندر کی گہرائی انعام ہے برق پیمائیوں کا!

عاصی کرنالی

اقبال

تیرا کلام دل نشیں، تیرا پیام دل نشاں
پھول کی طرح جلوہ ریز، چاند کی طرح ضوفشاں
شعلے کی طرح جاں گداز، نغمے کی طرح دل نواز
موج کی طرح مضطرب، بحر کی طرح بے کراں
کوہ کی طرح پُرشکوہ، چرخ کی طرح سربلند
زیست کی طرح پایدار، عشق کی طرح جاوداں

گُرزِ خلیل تیرا فن بُت کدۂ فرنگ پر
چوبِ کلیم تیرا شعر بر سرِ فتنہ گیاں
بارشِ فکر سے تری باغِ حرم شگفتہ رُو
آتشِ شعر سے تری کشتِ صنم دُھواں دُھواں
ظلمتِ شب میں تُو جلا لے کے چراغ آگہی
منزلِ نَو پہ آ گیا قافلۂ بلا کشاں

منزلِ نَو پہ آ کے ہم بھول گئے تیرا پیام
بھول گئے تِرا کلام، تیرا سخن، تیری زباں
علم کی بارگاہ میں، زہد کی خانقاہ میں
جانے کہاں لُٹے فکر و نظر کے کارواں
مصر میں مُفت بک گیا، یُوسفِ بے بہا ترا
کم نظری کی راہ میں لُٹ گئی دولتِ گراں

سیلِ رواں کی زد میں ہیں دانش و دین و آگہی
دیکھئے موجِ تیز کی، ضرب پڑے کہاں کہاں
تیرا کلام آسماں، کون اسے جھکائے گا
کر نہ سکیں گی پائمال، تیرے چمن کو آندھیاں
موجۂ بادِ تُند سے، بُجھ نہ سکے گا یہ چراغ
نُورِ محمدیؐ سے ہے، تیرا چراغ ضو فشاں

خونِ جگر تیرا کلام، سوزِ دروں تیرا پیام
تیرا کمال بے زوال، تیری بہار بے خزاں

●

عبدالحمید عدم

اقبال

قلندر غزل اپنی گاتا ہوا
پیامِ محبت سناتا ہوا
سفر کی صعوبت پہ ہنستا ہوا
حوادث کی قوّت پہ ہنستا ہوا
ازل کی طرح مُسکراتا ہوا
اَبد کی طرح لہلہاتا ہوا
دلوں میں اُمنگیں بساتا ہوا
ارادوں میں حِدّت رچاتا ہوا
سعادت کی راہیں دِکھاتا ہوا
خودی کی سبیلیں لگاتا ہوا
جوانوں کو بیدار کرتا ہوا
غلاموں کو خوددار کرتا ہوا
حجابات کے حُسن میں کھو گیا
ستارا چناروں میں گم ہو گیا

مسافر تو دو پل کا مہمان ہے
یہی اس کی عظمت کی پہچان ہے
ٹھہرتے نہیں راہ میں تیز رَو
کہ پڑتی ہے ماند ان کے جوہر کی ضَو
قلندر گیا اُس کی بولی گئی
گِرہ راز کی پھر نہ کھولی گئی
دلوں میں مگر گونج ہے ساز کی
بڑی عمر ہوتی ہے آواز کی

نئے جو بھی خورشید و مہتاب ہیں
قلندر کے دیکھے ہوئے خواب ہیں

عبد الصبور طارق

شاعرِ ملّت سے

تیرے نغموں سے ہُوا پھر گرم ملّت کا لہو
توڑ ڈالے رفتہ رفتہ ہم نے سب جام و سبو
دے گیا الفاظ سے شمشیر کا پیغام تُو
قومِ مردہ کی بڑھی ہے تیرے دَم سے آبرو
خواب جو دیکھا تھا تُو نے وہ حقیقت بن گیا
یعنی پاکستان اک زندہ حقیقت بن گیا

کر گیا قائدؒ سے پہلے ہی فضا ہموار تُو
سرزمینِ پاک کا ہے اوّلیں معمار تُو
نغمہ ہائے حُرّیت سے ہو گیا سرشار تُو
کر گیا خوابِ گراں سے قوم کو بیدار تُو
تھک کے راہوں میں جو بیٹھے تھے وطن کے نوجواں
پھر بڑھے منزل کی جانب کارواں در کارواں

عظمتِ رفتہ کے مدّھم اور دھندلے سے نشاں
کر دیئے نوکِ قلم سے آنِ واحد میں عیاں
ایسا کچھ باندھا ترے نالوں نے گلشن میں سماں
توڑ کر رکھ دیں عنادل نے قفس کی تیلیاں

ولولے سینوں میں پھر انگڑائیاں لینے لگے
تیغ و خنجر کی بلائیں نوجواں لینے لگے

تیری ہستی بالیقیں ہے قابلِ صد احترام
تیری شہرت جاوداں ہے تیری عظمت کو دوام
مشعلِ راہِ ہدایت ہے ترا زرّیں کلام
تجھ پہ اے پیغمبرِ شعر و سخن صدہا سلام

تیری ملّت تا ابد تجھ کو بھلا سکتی نہیں
یاد تیری سینۂ مسلم سے جا سکتی نہیں

●

عبدالرشید تبسم

اقبال

اے کہ تو مانندِ خورشیدِ فلک تابندہ ہے
اے کہ تیرے فیض سے ماہِ سخن رخشندہ ہے
ایک دم مشرق سے ٹوٹا ظلمتِ شب کا فسوں
تیری تابانی سے تنویرِ سحر شرمندہ ہے
شعر کی آب و گلِ دنیا کے معمارِ جواں!
تجھ سے تعمیرِ جہانِ شاعری پائندہ ہے

اہلِ دل کو آگہہ سرِّ خودی تو نے کیا
عشق کو آزادِ آئینِ تفنّن کر دیا

کر دیا حکمت سے افلاطون کو تو نے خموش
پیرِ المانی ہے تیرے سامنے حیرت فروش
ساقیِ مغرب کی صہبا میں نہ تھی کچھ کیفیت
یوں تو تھی کتنی ہوس انگیز رسمِ نا و نوش
تیرے نغمے سے ہوا اک ایک غنچہ سینہ چاک
بزمِ گُل میں تو نے اے بلبل کیا پیدا خروش

دل نشیں کتنی ہے شرحِ موت و تفسیرِ حیات
مردِ عاقل کا جنازہ بھی ہے گویا اک برات

گو حوادث نے بدل ڈالا مذاقِ انجمن
تیرے ساغر میں ہے لیکن اب بھی صہبائے کہن
اس جہاں سے تجھ کو لے اڑتا ہے ذوقِ جستجو
مثلِ بُو گُل سے نکل جاتا ہے بیرونِ چمن
تو زمیں پر اور بہ صفت افلاک تیری رہگذر
ہے تخیل تیرا پروازِ ملک پر خندہ زن

حُسن تیرا خوبیٔ فطرت کا ہے آئینہ دار
چشمِ انساں نے جسے دیکھا ہے اکثر آشکار

لہ گوئٹے

عبدالعزیز خالد

اقبال

اے خودی کے شاعرِ والا صفات
تجھ پہ آئینہ تھے اسرارِ حیات

سوز و سازِ آرزو مندی سے تھی
روشن و پُر مایہ تیری کائنات

محترم، یکتائیِ دُرِ یتیم
مُنکرِ دارائیِ لات و منات

تُو نے درویشی کو دی شانِ کئی
تُو نے ٹھکرائی خدائی کی زکات

تُو نے کھولا اس طلسمِ راز کو
موت در پردہ ہے تمہیدِ حیات

اشک و آہ و ذکر و فکر و زمزمہ
یہ ہیں تیری زندگی کے واقعات

سال و سن کی ہے عبث بحث و جدل
اصل شے ہیں ذہن و دل کے واردات

بے ہمہ ہو آدمی یا با ہمہ
بے خودی ہو یا باخودی اثباتِ ذات

بن گیا تھا جو سخن برگِ حشیش
ہے وہ تیرے لمس سے شاخِ نبات

تیرے شعری پیکروں کے سامنے
خم صنوبر قد بُتانِ سومنات

ہے محال و ممتنع تیرا کلام
تُو نے دکھلائے بیاں کے ممکنات

زندۂ جاوید ہے تیرا سخن
ہے زمانے کی طرح اس کو ثبات

تیری تمثیلیں سوادِ حرف میں
رات کے آنگن میں تاروں کی برات

تیری تشبیہیں پرت اندر پرت
حالات والّذات ، مرضیکات

تیرے اندازِ تکلّم کی قتیل
محض الاطراف، حسان ناعمات

تیری پروازِ تخیّل دیکھ کر
محوِ حیرت فاعلاتن ، فاعلات

ہے صریرِ خامہ آوازِ سروش
یہ خُدا کا ہاتھ ہے یا تیرا ہاتھ

فکر و فن کا یہ مرقع دیکھ کر
ہم کو آیا اعتبارِ معجزات

حیطۂ اِدراک میں آتے نہیں
تیرے اکعیار و مقامات و جہات

خواب جو دیکھا تھا تُو نے بن گیا
رفتہ رفتہ جلوۂ صبحِ نجات

بُوئے عشق آتی ہے تیری قبر سے
ہے یہ کس کی تجھ پہ چشمِ التفات

لیتے رہنا خوابِ نوشیں کے مزے
سوتے رہنا شوق سے بعد از وفات

ساری اُمّت گوش بر آواز ہے
یا بلالِ قم فناد بالصلوٰۃ

●

عبدالعزیز فطرت

قطعات

بیادِ اقبال

اقبال پیامی بھی ہے پیغام بھی اقبال
مُسلم بھی ہے اور جذبۂ اسلام بھی اقبال
وہ فرد بھی مِلّت کی تمنّائے جواں بھی
خود ساقی و خود بادہ و خود جام بھی اقبال

اک نالہ ہے اک شعلہ ہے اک تیر ہے اقبال
دلداری و دِلسوزی و تنویر ہے اقبال
اک فکر ہے بالعزم تو اک عزم ہے بالجزم
ہے خواب کبھی اور کبھی تعبیر ہے اقبال

چشمِ نگراں ہے دلِ بیدار ہے اقبال
تصویرِ وفا یِر توِ افکار ہے اقبال
شاہینی و خود تظمی و خود داری و جرأت
ہر عظمتِ انسان کا اظہار ہے اقبال

عبدالغفور اظہر

عقیدت کے پھول

جب تک یہ نظامِ سحر و شام ہے زندہ
تُو زندہ ہے اقبال تِرا نام ہے زندہ
یہ ارضِ وطن تیرے تخیّل کا ثمر ہے
جمہور کی جنّت ہے یہ توحید کا گھر ہے
خوشحال ہیں جمہور بھی اسلام ہے زندہ
تُو زندہ ہے اقبال ترا نام ہے زندہ
اک ولولۂ تازہ دیا قوم کو تُو نے
اک جوشِ بے اندازہ دیا قوم کو تُو نے
جو درس دیا تھا وہ بہرِ گام ہے زندہ
تُو زندہ ہے اقبال ترا نام ہے زندہ
بتلایا تھا جو راز ہمیں تُو نے بقا کا
محفوظ ہے سینوں میں سبق عزمِ دانا کا
اے قوم کے محسن ترا پیغام ہے زندہ
تُو زندہ ہے اقبال ترا نام ہے زندہ

عبدالغنی شمس

اندھیری رات کا راہی

اندھیری رات کا راہی بھی، رہ نما بھی وہی
جہاں میں ڈوبتی کشتی کا ناخدا بھی وہی
وہ رُوحِ عصر بھی، اور قوم کی صدا بھی وہی

کبھی جو تیرگیٔ دہر سے نہیں ہارا
فلک پہ جیسے درخشندہ صبح کا تارا
وہ اپنی ذات سے خود روشنی کا مینارا

جلو میں اس کے ہمہ وقت لاکھوں پروانے!
زبانِ دہر پہ، جن کی وفا کے افسانے!
ہتھیلیوں پہ لیے جان و دل کے نذرانے!

طلسمِ دانشِ حاضر کو توڑنے والا
بُتانِ رنگ سے منہ اپنا موڑنے والا
حریمِ کعبہ سے رشتے کو جوڑنے والا

نگاہ، منزلِ مقصود پر لگائے ہوئے
رہِ طلب میں وہ آگے قدم بڑھائے ہوئے
ہوا کی زد پہ چراغِ وفا جلائے ہوئے

ادا شناسِ معانی، سخنورِ کامل
وہ جس کی کاوشِ ذہنی میں خونِ دل شامل
جہاں میں وہ نفسِ جبرئیل کا حامل

وہ فلسفی، وہ مفکّر وہ رازدانِ حیات
وہ آشنائے حقیقت وہ ترجمانِ حیات
وہ اک مصوّرِ فطرت وہ نغمہ خوانِ حیات

سکھائے عقل پرستوں کو عشق کے آداب
اُٹھایا نظروں سے یہ کہہ کے ایک ایک حجاب
"بہشتِ مغربیاں جلوہ ہائے پا بہ رکاب"

وہ ایک نابغۂ روزگار، لا ثانی!
حقیقتوں کی ہر اک حرف میں درخشانی
وہ جس کی سوچ میں اندازِ فکرِ قرآنی

خیال وجذبہ میں وہ ابتکارِ گوناں گوں
نئی زبان، نیا لہجہ اور نیا مضموں
مگر سبھی میں وہی اکتسابِ سوزِ دروں

خودی کا سرِّ نہاں عام کر دیا اُس نے
خرد کو موردِ الزام کر دیا اُس نے
جنوں کو فیض سے کیا کام کر دیا اُس نے

نئے چمن کی بہاروں کا خواب دیکھا تھا
زمیں کے چاند ستاروں کا خواب دیکھا تھا
وہ جس نے پاک نظاروں کا خواب دیکھا تھا

وہ خواب، زندہ و پائندہ اک حقیقت ہے
جہاں کی لوح پہ، تصویرِ عزم و ہمّت ہے
ہماری اور تمہاری یہی تو جنّت ہے

یہی وطن ہے ہمارا، یہی نگار بھی ہے
یہی چمن ہے، چمن کی یہی بہار بھی ہے
یہی ہمارے قلندر کی یادگار بھی ہے

●

عبدالکریم ثمر

اقبال

اُبھر رہا ہے زمانے میں عظمتوں کا کمال
مری زباں پہ ہے پیغامِ حضرتِ اقبال
وہ فلسفی وہ مدبّر وہ نکتہ سنجِ کمال
اُسے مِلا ہے ازل سے پیمبرانہ جلال
اُسی کے حسنِ تخیّل کا شاہکار وطن
ضیائے صبحِ درخشاں فروغِ شامِ جمال
وہی پیمبرِ گلشن وہی رسولِ چمن
کلی کلی پہ نمایاں اُسی کا حسنِ خیال
اُسی نے جادو جگائے ہیں کارزاروں میں
کلیم سرِّ خودی واقفِ عروج و زوال
اُسی کے فکرِ تخیّل پہ ہے ضیا افشاں
عجم کا حسنِ مروّت عرب کا سوزِ بلالؓ
اُسی کے فیض سے درّاج بن گئے شاہیں
دیا غریب کو اُس نے قلندرانہ جلال
اُسی کے نغمۂ شیریں میں سوزِ عشقِ رسولؐ
اُسی کے اشکِ تمنّا میں آتشِ سیّال

مجھے یقیں ہے ثمرؔ زندگی کی راہوں میں
بڑھے گا اور بھی رہوارِ حضرتِ اقبال

عبرت صدیقی

شاعرِ مشرق

شاعرِ خوش فکر اے فخرِ جہانِ شاعری
تیرا لوہا مانتے ہیں اہلِ بینش آج بھی

فکر سے تیری جہانِ شاعری کو ہے ثبات
ہر تخیل ہے ترا اک جرعۂ آبِ حیات

شاعرِ مشرق ادیبِ نکتہ سنج و باکمال
کشورِ شعر و ادب کے تاجدارِ بے مثال

دل ترا بیدار احساسات سے معمور ہے
ہر نفس شعلہ ہے، بجلی ہے، چراغِ طور ہے

تیری فکرِ عرش پیما فائز المقصود ہے
تیرا عشقِ خود نگر خود شاہد و مشہود ہے

یہ حرارت، یہ تپش، یہ مستقل سوز و گداز
تیرے غم میں مشترک ہے سینۂ فطرت کا راز

مشعلِ راہِ ادب ہے، جذبۂ منزل رسی
زندگی گویا ہے تیری رہنمائے زندگی

شاعرِ ملت ہے تو پیغمبرِ تعمیر ہے
ملکِ پاکستان تیری فکر کی تصویر ہے

ترا درسِ مصلحانہ ہے منارہ نور کا
متفق صورت میں یہ ہے فیصلہ جمہور کا

حسنِ تہذیب و تمدن کو اجاگر کر دیا
دامنِ ہستی ادب کے موتیوں سے بھر دیا

روشنی اسلاف کی سیرت سے لینے کے لئے
تو نے وا تاریخِ ماضی کے دریچے کر دیئے

دل ہوئے بیدار ارماں کروٹیں لینے لگے
تیرے میٹھے بول ہیں جھونکے نسیمِ صبح کے

جذبۂ ایمان و احساسِ عمل پیدا کیا
عالمِ اسلام کو مستقبلِ روشن دیا

قوم کے غم میں ترا رونا ہے ساون کی جھڑی
مسکرا اٹھے دلوں میں حبِ قومی کے چمن

عظمتِ دیرینہ کی تحصیل کے پیشِ نظر ‏ قوم کے آگے کلیجہ رکھ دیا ہے چیر کر
فلسفی، شاعر، مصوّر اور ادیبِ دیدہ ور ‏ سو تکلّم کھیلتے ہیں اک لبِ خاموش پر

انتہائے یاس میں دیکھی گئی لب پر ہنسی ‏ تیرے نوحے میں بھی ہے سازِ طرب کی نغمگی
تیری فکرِ نکتہ رس ہے آشنائے ہر مزاج ‏ اہلِ بینش سے لیا ہے داد و تحسیں کا خراج
نظر میں تکبر تصنع سے کیا ہے اجتناب ‏ در حقیقت ہے ترا طرزِ نگارش لاجواب
اے مفکّر جس قدر بھی تیری تصنیفات ہیں ‏ فلسفہ، حکمت، تصوف ان کے موضوعات ہیں
نوعِ انساں کے لئے پیغام در پیغام ہے ‏ ترا مقصود طلب اسلام ہی اسلام ہے

کائناتِ رنگ و بو ہے دامنِ اقبال میں
پھول کھلتے ہی رہیں گے گلشنِ اقبال میں

●

عرفانہ عزیز

دانائے راز

اے سخن سنج شعورِ دل بری
تجھ پہ نازاں سطوتِ نغمہ گری

آگہی کرتی ہے تجھ سے کسبِ نور
تجھ پہ روشن حکمتِ غیب و ظہور

آشنائے لذّتِ سوزِ تمام
ماورائے کیف و کم تیرا مقام

اے بشر اے روحِ مافوق البشر
رمزِ ہستی سے مجھے آگاہ کر

جان و دل تیری نظر سے فیضیاب
تو سکونِ اضطرار و اضطراب

تجھ کو ہے اے کردگارِ پختہ کار
شیوۂ آدم گری ہی سازگار

آشنائے رفعتِ دار و صلیب
تو روایاتِ صداقت کا نقیب

حافظِ ناموسِ افکار و خیال
کائنات آرا ترا ذوقِ جمال

شاہکارِ فن ترا اسلوبِ فن
فن کا صنعت گر ترا طرزِ سخن

تیرا جذبِ بے کنار و بے کراں
کارواں در کارواں در کارواں

عطا حسین کلیم

اقبالؒ، پاکستان اور کشمیر

کشمیر کے فرزند نے اعجازِ سخن سے
دُنیا نے ہمیں صاحبِ کردار بنایا
ہم رہروِ گم کردۂ منزل تھے جہاں میں
اقبال نے منزل کا نشاں ہم کو دکھایا

یہ منزلِ مقصود مرا پاک وطن ہے
خود دار و خود آگاہ مسلمانوں کا مسکن
یہ قائدِ اعظم کی فراست کا ہے شہکار
یہ دیس ہے اقبال کے شاہیں کا نشیمن

اقبال نے اس قافلۂ شوق کو بخشا
عرفانِ خودی، صدقِ طلب، دیدۂ بیدار
تسخیرِ دو عالم کے فراہم کیے ساماں
غیرت کی سپر، کوششِ عمل، فقر کی تلوار

تاباں ہے مرا پاک وطن نورِ سحر سے
کشمیر کی وادی میں ابھی تک ہے اندھیرا
ارواحِ شہیدانِ وطن پوچھ رہی ہیں
کب صبحِ طرب آئے گی کب ہو گا سویرا؟

اقبالؔ کے احساں سے ہے خم قوم کی گردن
غیرت کا تقاضہ ہے یہی پاسِ وفا کا
جاں دے کے بھی کشمیر کو آزاد کرائیں
اقبالؔ کے احساں کا یہی ایک صلہ ہے

پھوٹا ہے جو اقبالؔ کے خورشید سخن سے
اس نور سے بیدار ہے دل آنکھ ہے بینا
کشمیر ہو محکوم تو جینا بھی ہے مرنا
کشمیر ہو آزاد تو مرنا بھی ہے جینا

●

عظیم قریشی

شاعرِ مشرق کے حضور

ساحل ٹوٹے
موجیں بکھریں
محمل لرزے
صُبحیں نکھریں

ایک ہیولیٰ
ہر سُو پرّاں
کبھی وہ اُنساں
کبھی وہ یزداں

علی اختر حیدرآبادی

وداعِ اقبال

الوداع اے نُطق کی سحر آفرینی کے امام
الوداع اے محفلِ معنی کے میرِ اہتمام

الوداع اے بزمِ مشرق کے خداوندِ سخن
الوداع اے نکتہ سنج اے نازشِ اربابِ فن

الوداع اے مُطربِ پاکیزہ الحاں الوداع
الوداع اے سرخوشِ صہبائے عرفاں الوداع

الوداع اے خُسروِ شیریں کلامی الوداع
محفلِ ہستی میں فطرت کے پیامی الوداع

جا کہ تجھ سے صاحبِ اسرار کے قابل نہیں
یہ فضائے نامرادی یہ غلامی کی زمیں

تُو نے وہ غنچے کھلائے باغبانِ پختہ کار
انجمِ گردوں کو شرماتا ہے جن کا بانکپن

تُو نے وہ نغمے سُنائے مُطربِ شیریں نوا
جھومتی ہے جن کو سُن سُن کر عروسِ علم و فن

اللہ اللہ تیری فطرت کی جمال آرائیاں
خار و خس کو تُو نے دی رعنائی سرو و سمن

حادثے جس کو زمانے کے مٹا سکتے نہیں
تُو نے سینوں میں لگا دی زندگی کی وہ لگن

محفلیں مُدّت سے تھیں خو کردۂ نُطقِ عوام
سطح بینوں کو بتایا تُو نے شاعر کا مقام

شعر نے تیرے سجائی محفلِ اہلِ سخن
فکر نے تیری جلائی شمعِ آئینِ کمال

شاہدِ ہستی کو تُو نے دے دیا حُسنِ دوام
نطقِ انسانی کو تُو نے کر دیا سحرِ حلال

آب و گل کی ظلمتوں میں جن کی نظریں تھیں اسیر
تُو نے سمجھائے انھیں فطرت کے اسرارِ جمال

شوق نے تیرے دکھائی منزلِ عرفان و عشق
ذوق نے تیرے سنوارے گیسوئے حسنِ خیال

خسروِ فن زیب دیتا ہے تجھے تاجِ دوام
موت تیرے گوشۂ دامن کو چھو سکتی نہیں

اہلِ دل بھی آب و گل میں اک کشش پانے لگے
شاہدِ ہستی کو تو نے کر دیا ناز آفریں

اب جھکا سکتی نہیں گردوں کی عظمت بھی انھیں
آستانِ قیصر و کسریٰ پہ تھی جن کی جبیں

ٹوکتا ہے اہلِ دولت کو ترا فقرِ جمیل
روکتا ہے ناشناسوں کو ترا درسِ یقیں

تو بھی زندہ ہے، ترا درسِ عمل بھی زندہ ہے
زندگی کے نور سے تیری جبیں تابندہ ہے

●

علی سردار جعفری

اقبال

ناتوانوں کو عطا کی قوّتِ ضربِ کلیم
تو نے بخشے ملّتِ بے پر کو بالِ جبرئیل
رند کیا ساقی بھی جس محفل میں پیاسا تھا وہاں
بھر کے لایا دل کے پیمانے میں موجِ سلسبیل
کچھ نہیں تھا جس بیاباں میں بجز موجِ سراب
آج وہ ہے رہگذارِ دجلہ و دریوب و نیل
آذرانِ عصرِ حاضر کے صنم خانوں میں آج
گونجتا ہے تیرے دم سے نغمۂ سازِ خلیل
زندگی دشوار تر کر دی غلامی کے لیے
کھینچ دی اس طرح آزادی کی تصویرِ جمیل
خواب کے آغوش سے بیداریاں پیدا ہوئیں
زندگی کی راکھ سے چنگاریاں پیدا ہوئیں

عنبر چغتائی

زندۂ جاوید

تو وہ کہ ترا حسن ہے تابندۂ جاوید
تو وہ کہ ترا عشق ہے پائندۂ جاوید
رخشندۂ جاوید!
اے زندۂ جاوید!
تُو وہ کہ تری ذات سے تکوینِ خودی ہے
تُو وہ کہ نظر میں تری تمکینِ خودی ہے
تلقینِ خودی ہے!
اے زندۂ جاوید!
تاجِ سرِ اُفتادہ کا تُو گوہرِ اقبال
اور انجمِ اِدبار میں تُو اخترِ اقبال
اے نیرِ اقبال!
اے زندۂ جاوید!

شایاں تھا ترے فرق کی عمّامۂ اقبال
زیبا قدِ موزوں پہ ترے جامۂ اقبال
علاّمۂ اقبال !
اے زندۂ جاوید !
اس مُلک کی تخلیق کا تعبیر نما خواب
تُو نے ہی تو دیکھا تھا یہ تعمیر نما خواب
تسخیر نما خواب
اے زندۂ جاوید !
عرفانِ خودی اور یہ سرمستیٔ احساس
باقی نہیں اب قوم میں وہ پستیٔ احساس
اے ہستیٔ احساس
اے زندۂ جاوید !
زرّیں ترے خامے سے ہوئے ہستی کے اوراق
تجھ پر ہے ستم مُلکی و قومی کا ہر اطلاق
اے شاعرِ آفاق !
اے زندۂ جاوید !~

غافل کرنالی

بحضورِ اقبال

ترے کلام نے بخشی ہے اے حکیمِ جنوں
فسردہ قوم کو احساس کی توانائی
نہاں ہے سوزِ کلیمی تری نواؤں میں
ترے شعور نے توڑا طلسمِ دارائی

بنامِ صبحِ تغیّر ترا پیامِ جمیل
رہے گا لوحِ زمانہ پہ تا ابد مرقوم
فلک شکار رہی تیرے فکر کی پرواز
تری نگاہ نے بدلا حیات کا مفہوم

ترے ضمیر کی آواز سے کھنک اُٹھّے
مشیّتوں کے تجلّی بدوش کاشانے
ترے صحیفۂ عرفاں کے اشارے پر
مچل رہے ہیں زمان و مکاں کے افسانے

دیا ہے تُو نے زمانے کو درسِ آگاہی
عطا ہوئی ہے تجھے جرأتِ کلیمانہ
جلا رہا ہے ہزاروں صداقتوں کے چراغ
ترے تبسّمِ فکر و نظر کا افسانہ

ترے کلام کی سحر آفرینیوں کے طفیل
فرازِ پاک سے اُبھرا ہے آگہی کا نظام
ترے شعورِ جنوں کیش کی قیادت میں
چلے جو ہم تو ملی منزلِ سحر آشام

مرے وطن کے مفکّر تری نواؤں سے
دیارِ پاک میں جوشِ عمل کا چرچا ہے
خلوص اور محبّت کی چاند راتوں میں
رُخِ حیات کا ہر نقش نکھرا نکھرا ہے

خُدا کے نُور سے چاروں طرف اُجالا ہے
ترے وطن میں اُخوّت کا بول بالا ہے

غلام جیلانی اصغر

مردِ فقیر

ہمارے شہر سے گزرا تھا ایک مردِ فقیر
گلیم پوش بھی تھا، صاحبِ سریر بھی تھا
عیاں تھی اُس کی نظر پر بلندی و پستی
وہ خود شناس، خود آگاہ، باضمیر بھی تھا

وہ ایک شخص جو سارے نگر سے واقف تھا
نظر نواز تھا، اہلِ نظر سے واقف تھا
اُسے خبر تھی کہ یہ رات ڈھلنے والی ہے
طلوعِ صبح سے پہلے، سحر سے واقف تھا

وہ شخص جس نے غلاموں کو سرفرازی دی
مزاجِ آہن و فولاد، موم کو بخشا
نیا شعور دیا بخش، ذات کا اُس نے
غرورِ زیست غریبوں کی قوم کو بخشا

وہ شخص شہر سے گزرا تو کتنا تنہا تھا
جلو میں اُس کے مگر زندگی کا دریا تھا
چلا گیا تو اب شہر کتنا تنہا تھا
وہ ایک شخص جو، ہر شخص کا شناسا تھا

وہ شخص ہم میں نہیں ہے مگر یہ جانتا ہے
جو لوگ جسم دریدہ تھے، گل بداماں ہیں
سفر کی گرد میں جو اَٹ گئی تھیں تصویریں
وفورِ نورِ سحر سے وہ اب درخشاں ہیں

وہ شخص ہم میں نہیں ہے مگر کلام اُس کا
کبھی زبورِ عجم ہے، کبھی ہے بانگِ درا
پیامِ زیست دیا اہلِ شرق کو اُس نے
خودی کے راز سے لوگوں کو روشناس کیا

فارغ بخاری

شاعرِ مشرق

شاعرِ مشرق ترا خامہ تھا راہوارِ سخن
مجھ کو ورثے میں ملی تیری برہنہ پائی
رکھ لئے آنکھوں میں، میں نے ترے نقشِ کفِ پا
میں نے تیرے سفرِ فن کی ادا اپنائی

ڈر کے جو ترک کیا تیرے حُدی خوانوں نے
مَیں نے اُس نغمے کی لَے اپنے سُروں میں گائی
کتنی صدیوں کے سسکتے ہوئے ارمانوں نے
میرے اشعار میں اظہار کی صُورت پائی
محتسب مجھ سے خفا، شیخ کبیدہ خاطر
بارگاہوں کو کھٹکتی ہے مری گویائی

شاعرِ مشرق ترا معجزۂ فن ہے یہی
ذرّۂ خاک کو گردوں سے ملایا تُو نے
کتنے دم توڑتے جذبوں کو زبانیں دے کر
قطرۂ اشک میں طوفان اُٹھایا تُو نے
دے کے تعلیم خودی یاس زدہ لوگوں کو
زندگی کرنے کا انداز سکھایا تُو نے
ہر طرف پھیلے تھے منحوس خزاں کے سائے
پیار سے روٹھی بہاروں کو منایا تُو نے
دردِ دل اپنا زمانے کے لئے عام کیا
خونِ دل دے کے گلستاں کو سجایا تُو نے

تیری بے باکی سے سب اہلِ دول نالاں تھے
تیری حق گوئی سے برہم تھا امیروں کا مزاج
تیرے افکار سے تھی دیر و حرم کو پُرخاش
تیرے اظہار کے انداز سے سہمے تھے کاخ
کہنہ ذہنوں کے صنم خانوں کو توڑا تُو نے
تیری ٹھوکر پہ تھے سب عظمت و جبروت کے تاج
تجھ کو نفرت تھی زر و سیم کے ایوانوں سے
طالبِ جاہ نہ تھا، تیرا فقیرانہ مزاج
یہ قصیدہ نہیں اظہارِ حقیقت ہے فقط
ایک شاعر کی طرف سے ہے یہ شاعر کو خراج

شاعرِ مشرق ترے درسِ بغاوت کے طفیل
میں نے پیدا تنِ مُردہ میں حرارت کی ہے
اس لئے آج حریفِ رسن و دار ہوں میں
میں نے مظلوموں کے طبقے کی حمایت کی ہے

مَیں نے جمہور کے غدّاروں کو للکارا ہے
مَیں نے قاتل سے اُلجھنے کی جسارت کی ہے
حاکمِ شہر ہے نالاں مِری بے باکی سے
مَیں نے ہر دَور میں اظہار کی جرأت کی ہے
مَیں نے انسانوں کے ترشے ہوئے بُت توڑے ہیں
مَیں نے پتّھر کے خداؤں سے بغاوت کی ہے

مَیں نے اے شاعرِ جمہور قسم کھائی ہے
تیرا پیغام فراموش نہ ہونے دوں گا
مَیں نے یہ عزم کیا ہے کہ کسی قیمت پر
فکرِ فردا کو غمِ دوش نہ ہونے دوں گا
مَیں تری یاد مناؤں گا بہ اندازِ دگر
تیرے اعجاز کو روپوش نہ ہونے دوں گا
مَیں تری قوم کے افلاس زدہ بندوں کو
آمرِ وقت کی پاپوش نہ ہونے دوں گا
جاں لُٹا دوں گا رہِ دشتِ جنوں میں لیکن
تیری آواز کو خاموش نہ ہونے دوں گا

●

فخرالدین بلّے

اقبال

خیال و فکر کی معراج ہے کلام ترا
علاجِ کش مکشِ زیست ہے پیام ترا

جمالِ رُوحِ مکرّم تری نظر کی تلاش
بھلا بتائے تو کیوں کر کوئی مقام ترا

جہانِ کُن فیکوں نغمہ زن تری خاطر
فرشتے عرش پہ کرتے ہیں احترام ترا

●

فضا جالندھری

دلیلِ رہِ سخن اقبال

مرا سلام دلیلِ رہِ سخن اقبال
دلوں کو آج بھی گرما رہا ہے تیرا خیال
ترے جمال میں تیری بصیرتوں کا جلال
تری نگاہ حقیقت شناسِ ماضی و حال

ترے سخن میں ہے شادابیٔ چمن اب بھی
تری حیات ہے اک شمعِ انجمن اب بھی

حکایتِ دلِ برباد ہے ترا شکوہ
زوالِ قوم کی روداد ہے ترا شکوہ
فغانِ ملّت ناشاد ہے ترا شکوہ
حریفِ جراتِ فریاد ہے ترا شکوہ

جب آہِ غم کو رہِ مدّعا نہ ملتی تھی
تری فغاں ہی سے زنجیرِ عرش ہلتی تھی

ہے آج بھی وہی رعنائیٔ اثر تیری
ہے آج بھی دلِ آگاہ کو خبر تیری
شعاعِ مہرِ درخشاں ہے ہر نظر تیری
مری نظر میں حقیقت ہے جلوہ گر تیری

ترا کلام ہے گویا کلام فطرت کا
ترا پیام ہے گویا پیام فطرت کا

ترے کلام نے عالم کو زندگی بخشی
خودی کے نغمے سنائے خود آگہی بخشی
نظر نظر نے ہر اک دل کو روشنی بخشی
نفس نفس نے زمانے کو زندگی بخشی

جبینِ شعر ہے اور آستانۂ اقبال
جہاں میں گونج رہا ہے ترانۂ اقبال

نگاہِ خلق میں مستور ہے جہاں ہے تو
مکاں سے دور کہیں محوِ لامکاں ہے تو
ہمیں ہے تیری ضرورت مگر نہاں ہے تو
خدا کے واسطے آواز دے کہاں ہے تو

فدا بہار، ترے جاں فزا تبسّم پر
فضا نثار ترے دل نشیں تکلّم پر

فیض احمد فیض

اقبال

آیا ہمارے دیس میں اک خوش نوا فقیر
آیا اور اپنی دھن میں غزل خواں گزر گیا
سنسان راہیں خلق سے آباد ہو گئیں
ویران میکدوں کا نصیبہ سنور گیا
تھیں چند ہی نگاہیں جو اس تک پہنچ سکیں
پر اس کا گیت سب کے دلوں میں اتر گیا

اب دور جا چکا ہے وہ شاہِ گدا نما
اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں اداس ہیں
چند اک کو یاد ہے کوئی اس کی ادائے خاص
دو اک نگاہیں چند عزیزوں کے پاس ہیں
پر اس کا گیت سب کے دلوں میں مقیم ہے
اور اس کی لے سے سینکڑوں لذت شناس ہیں

اس گیت کے تمام محاسن ہیں لازوال
اس کا وفور، اس کا خروش، اس کا سوز و ساز
یہ گیت مثلِ شعلۂ جوّالہ تند و تیز
اس کی لپک سے بادِ فنا کا جگر گداز

جیسے چراغ وحشتِ صرصر سے بے خطر
یا شمعِ بزم، صبح کی آمد سے بے نیاز

فیض احمد فیض

اقبال

زمانہ تھا کہ ہر فرد انتظارِ موت کرتا تھا — عمل کی آرزو باقی نہ تھی بازوئے انساں میں
بساطِ دہر پر گویا سکوتِ مرگ طاری تھا — صدائے نوحہ خواں تک بھی نہ تھی اس بزمِ ویراں میں

رگِ مشرق میں خونِ زندگی تھم تھم کے چلتا تھا — خزاں کا رنگ تھا گلزارِ ملت کی بہاروں میں
فضا کی گود میں چُپ تھے ستیز انگیز ہنگامے — شہیدوں کی صدائیں سو رہی تھیں کارزاروں میں

سنی واماندۂ منزل نے آوازِ درا آخر — ترے نغموں نے آخر توڑ ڈالا سحرِ خاموشی
مئے غفلت کے ماتے خوابِ دیرینہ سے جاگ اٹھے — خود آگاہی سے بدلی قلب و جاں کی خود فراموشی

"عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا" — فسردہ مشتِ خاکستر سے پھر لاکھوں شرر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے — یہ خاکی زندہ تر، پایندہ تر، تابندہ تر نکلے

نمود و بود کے سب راز تو نے پھر سے بتلائے — ہر اک فطرت کو تو نے اس کے امکانات جتلائے
ہر اک قطرے کو وسعت دے کے دریا کر دیا تو نے — ہر اک ذرّے کو ہمدوشِ ثریا کر دیا تو نے

فروغِ آرزو کی بستیاں آباد کر ڈالیں — زجاجِ زندگی کو آتشِ دوشیں سے بھر ڈالا
طلسمِ کُن سے تیرا نغمۂ جانسوز کیا کم ہے — کہ تو نے صد ہزار افیونیوں کو مرد کر ڈالا

(فروری ۱۹۳۳ء)

قتیلؔ شفائی

نوائے اقبال

حلقۂ اصنام سے لے کر مہِ دو نیم تک
عظمتِ انساں کی ہے پرواز ہفت اقلیم تک

اپنی زد میں ہے طلسمِ انجم و شمس و قمر
اپنے قدموں کی رسائی ہے حدِ تقویم تک

بے نیازِ ساغر و صہبا ہے جن کی تشنگی
آپ ان کو ڈھونڈتے ہیں کوثر و تسنیم تک

ماورائے شوق پہنچے شیر مردانِ جنوں
جا سکا طفلِ خرد گہوارۂ تعلیم تک

جن کی پابندی بنا دے ابنِ آدم کو غلام
اُن اُصولوں میں روا رکھتے ہیں ہم ترمیم تک

لے کے شانہ آئے تھے ہم اے عروسِ کائنات
خم تری زلفوں کا جا پہنچا سرِ تسلیم تک

اُن کے سجدے بے اثر ان کی نمازیں بے سُرور
کر نہیں سکتے ہیں جو انسان کی تعظیم تک

کون پہنچا ہے بجز عرفانِ سودائے خودی
آتشِ نمرود سے گلزارِ ابراهیم تک

قمر یزدانی

تربتِ اقبال سے

اے مزارِ عظمتِ رفتہ تری آغوش میں
ملّتِ مرحوم کا اقبال آرامیدہ ہے
اے نشانِ انقلاب اے سنگِ مرمر کی سِلو
اک متاعِ کارواں اس خاک میں خوابیدہ ہے

آہ وُہ اقبال وہ آگاہِ رازِ ہست و بُود
وہ مفکّر زندگی کا وہ خودی کا ترجماں
جس کے دل میں درد کی اک دولتِ بیدار تھی
جس کا سینہ تھا امینِ عشقِ محبوبِ جہاں

ذرّہ ذرّہ خاک کا تیری زبانِ حال سے
دے رہا ہے نوعِ انساں کو پیامِ انقلاب
تیرے نغموں سے ملے گا دل کو سوزِ آرزو
ہوں گے دائم اہلِ دل تیری نوا سے بہرہ یاب

قیصر فاروقی

مصوّرِ وطن

شاعرِ دیدہ وَر، فلسفی، راہبر
خوش ادا خوش نظر خود نگر، قوم گر
راہبر و راہ نما، راہ بیں، ہمسفر
جس کا شہرہ ہوا فرش و افلاک پر
پیکرِ علم وہ راہبرِ با عمل
تاجدارِ سخن، شاعرِ بے بدل

خوش نوا، خوش بیاں، فخرِ بزمِ جہاں
عندلیبِ زمیں، شاعرِ آسماں
شعر جس کا حسیں صورتِ کہکشاں
جس نے اسرارِ حق کر دیئے سب عیاں
جس نے بخشا تصوّر نرالا نیا
ظلمتوں میں کیا پھر اُجالا نیا

وہ طبیبِ وطن، وہ حکیمِ زماں
مظہرِ علم و دانش، فقیہِ جہاں
جس کے ادراک کی زد میں تھا آسماں
محورِ فکر جس کا رہا لامکاں
دلربا، دلنشیں جس کا ہر اک سخن
جس کے نغموں سے آباد ہے انجمن

بزمِ شعر و سخن کا وہ تھا تاجور
نکتہ چیں، نکتہ داں، نکتہ بیں، نکتہ ور
دشتِ حکمت کا وہ راہنما راہبر
منزلیں جس کے آگے تھیں گردِ سفر

جس کی ہر بات میں درسِ احساس تھا
آبروئے وفا کا جسے پاس تھا

اس کے کردار کی رفعتیں بے کراں
اس کے انوار سے روشنی جاوداں
اس کی گفتار سے علم و حکمت عیاں
اس کے ہر لفظ میں عظمتوں کے نشاں

اس کے دم سے اندھیروں میں تابانیاں
اس نے ذرّوں کو دی طلعتِ کہکشاں

اس کے اشعار میں موجِ سوزِ دروں
سیلِ کردار و طوفانِ جوشِ جنوں
اس کے اشعار میں ہے خودی کا فسوں
اس کی عظمت کے آگے ستارے نگوں

اس کے انوارِ دانش ضیائے حرم
اس کا قائل عرب اس کا قائل عجم

یہ وطن اس کے ارماں کی تصویر ہے
فکر اس کی عظیم و فلک گیر ہے
بابِ عزم و شجاعت کی تفسیر ہے
یہ زمیں اس کے خوابوں کی تعبیر ہے

اس کے ارماں کی توقیر بن جائیں گے
ہم زمانے کی تقدیر بن جائیں گے

قیصر یزدانی بریلوی

بیادِ تاجدارِ سخن

پیکرِ خلق و مروّت حامیٔ قوم و وطن
نکتہ سنجِ معرفت اے واقفِ رازِ چمن
ترجمانِ غنچۂ گُل نازشِ سرو و سمن
نام سے تیرے مہکتی ہے فضائے انجمن
تاقیامت ناز فرمائیں گے تجھ پر علم و فن

فکر میں غلطاں نظر آتی ہے دُنیائے ادب
جیسے تہذیب و تمدن کا اُبھرنا ہو سبب
گوہرِ ہندی سے پایانِ ہُنر ہے بوالعجب
ایک ہی تصویر ہے سارے جہاں کی منتخب
ایشیا کی سرزمیں ہو یا حدِ گنگ و جمن

تیرے نغموں نے زمانے کو محبت بخش دی
آج لہراتی ہے پیہم نو عروسِ زندگی
ہے ترنم سے نمایاں اک مقدس روشنی
کیف و مستی کے لبوں پر ہے اُجالے کی ہنسی
کس قدر شاداب ہے تیرے تخیل کا چمن

ہیں تصدق تجھ پہ فردوسِ معانی کے خیال
تیری معلومات ہیں گنجینہ ہائے لازوال
تیرا اندازِ تکلم شاہکارِ بے مثال
تیرے آگے لب ہلائیں کیا بہاروں کی مجال
حاصلِ صد زندگی ہے تیرا اعجازِ سخن

واقفِ سرِ زباں اقبال تیری ذات ہے
معنیٔ لفظ و بیاں اقبال تیری ذات ہے
دردِ دل کی ترجماں اقبال تیری ذات ہے
باعثِ فخرِ جہاں اقبال تیری ذات ہے
تو نے ہر ذرے کو سمجھا ہے بعنوانِ وطن

جذبۂ خدماتِ انساں تیرا وصفِ بے مثیل
صیغۂ شعر و ادب میں زندگانی کی سبیل
غیر ممکن ہے فنا ہو جائے فنکارِ جمیل
تجھ کو ایثار و اخوت سے ملی عمرِ طویل
قیصرِ علم و ہنر اے تاجدارِ فکر و فن

قیوم نظر

اقبال سے

تری شاعری نغمۂ شش جہات — خودی کی، خدا کی، خدائی کی بات
یہیں اہلِ ہمّت ہیں یزداں شکار — یہیں میر و سلطاں نے کھائی ہے مات
یہیں، ہیں ستاروں سے آگے جہاں — اسی نے مٹا دی حدِ کائنات
یہیں حُسن، حُسنِ ازل بن گیا — یہیں عشق نے پائی رمزِ حیات
یہیں فکرِ رومی یہیں فکرِ شیخ — یہیں آگئی روحِ شاخِ نبات

مسلماں ہوا ہے مسلماں یہیں
اجاگر یہیں مردِ مومن کی ذات

تری زندگی سوز و ساز و نیاز — حدیثِ دل و دین و جذب و قبول
ترے فقر میں ہے وہ "ضربِ کلیم" — کِھلائے ہیں جس نے محبّت کے پھول
ترے کارواں کو ہے "بانگِ درا" — حقیقت رُبا تیرا عشقِ رسولؐ
ترے عجز سے بالِ جبریل بھی — رہِ مصطفےٰؐ سے اُٹھاتا ہے دھول
خودی کے اُنھی سے ہیں اسرار فاش — دیئے بے خودی کے جو تُو نے اُصول

جگائی ہیں تُو نے جو "اقوامِ مشرق"
نہ ہو گی کبھی اُن سے پہلی سی بھول

کاشی پریاگی

اقبال

سامری کیشوں کی نظروں میں تو جادُو گر ہے تُو
مَیں جو کہہ سکتا تو کہہ دیتا کہ پیغمبر ہے تُو
حدِّ توصیف و ثنا و مدح سے برتر ہے تُو
بحرِ اسلام و صفا و صدق کا گوہر ہے تُو
نورِ بیضا و دَمِ عیسیٰ نثارِ ہر شرر
مُشترِ¹ لاکھوں سمندر ہیں وہ خاکستر ہے تُو
سرمدی نعرے ہیں وقفِ لذّتِ رقص و سرود
پیکرِ وجدان کو اک عیسوی نشتر ہے تُو
شکوہ تیرا ہے اگر میزانِ لب کی آبرو
تو جوابِ شکوہ میں جبریل کا ہمسر ہے تُو
صاف اسرارِ خودی میں ہیں رموزِ بے خودی
خود نفیسی، مُشتری جس کا ہے وہ گوہر ہے تُو
داغ اور حالی کی شان، سرسیّد و اکبر کی جاں
اُن میں جو اوصاف تھے اُن سب سے کچھ بڑھ کر ہے تُو
مُلک میں ہر دل پہ سکّہ ہے تری تحریر کا
نُطق پرور ہے زباں ساز و قواعد گر ہے تُو

---

¹ ایک باکمال شاعر

کامران رشید

اقبال

منتشر قوم کی گرتی ہوئی دیواروں کو
تیرے بروقت تفکّر نے سہارا بخشا!
گنگ ماحول میں سہمے ہوئے انسانوں کو
جبر کے سامنے گویائی کا یارا بخشا

کاٹ کر رکھ دیئے اے مردِ قلندر تو نے
اپنے اشعار کے تیشے سے پہاڑوں کے جگر!
کج کلاہوں کو دیا درس بقولِ شاعر
"خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر"

برگِ گُل سے کبھی الماس کے دل کو چیرا
مردِ ناداں کو کبھی بڑھ کے جھنجھوڑا تو نے
جس نے انسان کو انسان سے نفرت بخشی
بالِ جبریل سے اُس خول کو توڑا تو نے

تو نے جس قوم کی شادابی و عظمت کے لئے
مدتوں قصرِ معانی میں بہائے آنسو!
آج وہ قومِ گراں گوش بنامِ تہذیب
کھیلتی پھرتی ہے پھر دل میں لئے ذوقِ نمو!

گم شدہ دولتِ احساسِ زیاں مِل جائے!
کاش! پھر ان کو بلندی کا نشاں مِل جائے!

کبیر انور جعفری

علّامہ کا نام

آسماں کے دروازے پر
علّامہ کا نام
لکھّا ہے زرّیں حرفوں سے
دنیا جس کی رام
علّامہ کا نام

چند پرانی صدیوں کے
خوابوں کی اک تعبیر
شہرت کی تفسیر
نغموں کا الہام
علّامہ کا نام

مَولا کے دفتر کے ورق پر
لکھّا تھا اقبالؔ
سیم و زر اور لعل
منصب اور کمال
آسمان کے دروازے پر
علّامہ کا نام
دنیا جس کی رام

کرم حیدری

دولتِ اقبال

بدلتا رہتا ہے ہر لحظہ زندگی کا نظام
یہ کائنات ہے پیہم تغیّرات کا نام

زمانہ صورِ سرافیل کا نہیں محتاج
کہ لمحہ لمحہ یہاں روزِ حشر کا ہے قیام

کہیں ابھرتا ہے خورشید ڈوبتا ہے کہیں
کبھی نمودِ سحر ہے کبھی ہے جلوۂ شام

عروج ایک کو ہوتا ہے دوسرے کو زوال
کہیں بہار کا آغاز ہے کہیں انجام

ملی ہوئی ہیں عروج و زوال کی کڑیاں
اسی طرح سے ہے قائم تسلسلِ ایّام

مگر عروج سے بڑھ کر ہے آبِ رنگِ زوال
زوال میں تو سنورتی ہے قسمتِ اقوام

غمِ زوال کا حاصل ہے گرمئ احساس
یمِ زوال کا ساحل ہے دورِ خوش ہنگام

اسی سے فطرتِ آدم ہے انقلاب پذیر
اسی سے ہوتا ہے بیدار ذوقِ سعیٔ تمام

تڑپ تڑپ کے ابھرتا ہے آدمی کا ضمیر
بگڑ بگڑ کے سنورتا ہے زندگی کا نظام

زوال بحرِ حوادث کا اک کنارا ہے
شبِ سیاہ میں اُمّید کا ستارا ہے

کرے جو غور تو اے مُسلمِ فسردہ خیال
تجھے بھی باعثِ رحمت ہوا ہے ترا زوال

اسی زوال سے پیدا ہوا جمالِ سحر
اِسی زوال سے ٹوٹا طلسمِ وہم و خیال

ملا عروج سے تجھ کو سکونِ فکر و عمل
دیئے زوال نے تیرے شعور کو پر و بال

ترے عروج کا حاصل تھے عرفی و طالب
ترے زوال نے دی تجھ کو دولتِ اقبال

ترے مقام سے جس نے کیا تجھے آگاہ
دکھایا تجھ کو ترے آئینے میں تیرا جمال

نکال کر تجھے مایوسیوں کی ظلمت سے
بتایا تجھ کو تقاضائے حال و استقبال

حقیر ذرّوں سے اک ایسا آفتاب اُبھرا
ہوئی سیاہئ شب جس کے نور سے پامال

اُڑایا قطروں کو دوشِ سحاب پر جس نے
بنایا ذرّوں کو دے کے جلا گہر تمثال

ہزار سالہ حکومت کی داستانوں میں
ملے گی تجھ کو نہ ڈھونڈے سے کوئی اسکی مثال

تو بے مقام تھا اُس نے دیا مقام تجھے
تو تشنہ کام تھا بخشا ہے اُس نے جام تجھے

کشور ناہید

اقبال

تیرا جلال و جمال عکسِ خدا کی دلیل!
وہ بھی جلیل و جمیل تُو بھی جلیل و جمیل

تیری دُعا سے ملا، میری زمیں کو ثمن　　تیری نوا سے ملا حرفِ تحیّر کو فن
تیری وفا سے ملا کاسۂ تسکیں کو دھن　　تیری نوا سے ملا صحرائے جاں کو چمن

نقشِ وفا کا بیاں، تیرے بیاں کی دلیل
زمزمِ دِل کے لیے تیری صدا سلسبیل

تیری دُعا میں نہاں جذبۂ خیرالبشر　　تیری صدا سے ملا قوم کو جذبِ رحیل
تیری نواؤں میں ہے پچھلے پہر کا فسوں　　تیرے تکلّم میں ہے حوصلۂ جبرئیل

کاش تمنّا بھی ہو حسرتِ دل کا کفیل
میری دُعا بھی بنے تیری دعا کی مثیل

تیرے تصرّف میں ہے شہرِ دعا کی جبیں　　تیرے تموّج میں ہے سطوتِ سودائے دیں
تیرے تحکّم میں ہے قامتِ قرضِ زمیں　　تیرے تکلّم میں ہے جلوتِ روزِ یقیں

میری تمنّا سراب، میرے ارادے قلیل
تیری سخن پروری، میری دُعا کی سبیل

کلیم سیالکوٹی

اقبال

چہچہا کر اُڑ گیا کچھ دیر وہ مُرغِ چمن
دم بخود جس کی نواؤں سے تھی ہر بزمِ سخن

نغمۂ نَے سے فضا مسرور تھی مخمور تھی
گونجتے تھے نعرۂ توحید سے کوہ و دمن

اہلِ محفل رو رہے ہیں رونق محفل گئی
سُونے سُونے سے نظر آنے لگے قریہ و بَن

عندلیبِ گلشن طیبہ غزل خوانی تری
مست کر ڈالے نوا نے تیری شیخ و برہمن

ضیغمِ دشتِ حجازی کی غناتابی نہ پوچھ
کانپتا تھا اس کی اک یلغارِ ہُو سے اہرمن

ملّتِ بیضا کی ہر دم رہبری کرتا رہا
اُس نے سمجھی ہی نہیں مشکل کوئی راہِ کٹھن

بزمِ رنداں سے گیا وہ بادہ آشامِ حجاز
رہ گئے سب میکدے خالی تہہِ چرخِ کہن

فرقتِ اقبال کا پیوست ہے سینے میں تیر
کون سمجھے کون جانے سوزشِ غم کی جلن

آہ تڑپائے گا کِس کِس کو کلیم اُن کا خیال
کیا امامانِ سیاست کیا فقیہانِ زمن

کوکب شاہجہاںپوری

ارتحالِ اقبال

شاعرِ مشرق، حکیمِ دہر، مردِ حق پرست
اُٹھ گیا دنیا سے دُنیا درہم و برہم ہے آج

چھین لی ہے موت نے ہم سے وہ روحِ نغمہ زا
زندگی آہِ مسلسل، نالۂ پیہم ہے آج

ہو گیا رخصت وہ چارہ سازِ آلامِ حیات
خستۂ آزارِ ہستی ہر بنی آدم ہے آج

آہ وہ روشن گرِ شمعِ امید و انبساط
ہر دلِ ناکام و محزوں محوِ یاس و غم ہے آج

بھر رہی ہے سرد سرد آہیں نسیمِ سوگوار
حیف! ہر موجِ نفس افسردہ و بیدم ہے آج

جس کو دیکھو ہے سراپا درد، تصویرِ الم
اللہ اللہ سیلِ غم، جو آنکھ ہے پُرنم ہے آج

مضطرب ہیں اہلِ دل بیتاب ہیں اہلِ نظر
حسرتا واحسرتا کیا حشر زا عالم ہے آج

ہائے وہ غمخوارِ ملت، حیف وہ ہمدردِ خلق
جتنی فریاد و فغاں، آہ و بکا ہو کم ہے آج

مشرق و مغرب ہیں غرقِ حسرت و اندوہ و غم
ملتِ اسلام میں اقبال کا ماتم ہے آج[1]

۱۳۵۷ ہجری

---

[1] مصرعِ تاریخ ڈاکٹر سید عابد حسین کا حاصلِ جگر کاری ہے ۔ کوکب

ڈاکٹر محمّد اقبال

ایسا نغمہ سُنا دیا تُو نے — بجلیوں کو جگا دیا تُو نے
ملک پر تھا جمود کا عالم — بن کے آندھی ہلا دیا تُو نے
پست در پست تھی زمینِ سخن — ملک اس کو بنا دیا تُو نے
شاعری ہو رہی تھی کھوٹی بات — اس کا سکّہ چلا دیا تُو نے
توڑ کر بندِ موجِ طبعِ رواں — ایک دریا بہا دیا تُو نے
گھٹ رہی تھی حیات کی گرمی — اس کو اُٹھ کر بڑھا دیا تُو نے
داد لی دے کے تابِ زُلفِ سخن — کیا لیا اور کیا دِیا تُو نے
بات ذلّت پہ جُھک گئی تھی غریب — اس کے سر کو اُٹھا دیا تُو نے
تاب دیدہ ہے فنِ شعر کا رنگ — شکلِ گلشن سجا دیا تُو نے
کس طرح قلب میں اُترتے ہیں — شاعری کو بتا دیا تُو نے
شکل ہے کون دیدہ زیبی کی — بندشوں کو دکھا دیا تُو نے
نغمۂ روح اس کو کہتے ہیں — شاعروں کو سُنا دیا تُو نے
کیا مضامین کی ہے خلاقی — اس کا پُورا پتا دیا تُو نے
لفظ کا ٹھاٹھ نام ہے اس کا — جس طرح جگمگا دیا تُو نے
معنوی شان اس کو کہتے ہیں — کہہ کے پردہ اُٹھا دیا تُو نے
شاعری قوم کو جگاتی ہے — قوم کو ہاں جگا دیا تُو نے

شاعری ہے معین مذہب کی — بے بصر کو سجھا دیا تو نے
شاعری ہے جلائے روحانی — آئینے کو دکھا دیا تو نے
ہو گئے مست زاہدانِ حرم — جامِ عرفاں پلا دیا تو نے
روحِ اُردو ہے فارسی ترکیب — نقشۂ نو جما دیا تو نے
رہبروں کے جو نقش باطل تھے — ان کو چل کر مٹا دیا تو نے
سب جسے جانتے تھے گنجِ نہاں — بر سرِ رہ لٹا دیا تو نے
اب کوئی کس طرح نہ جاگے گا — شورِ طوفاں مچا دیا تو نے
ہے یہ قسمت کہ شاعرِ اقبال — قوم کو اے خدا دیا تو نے

فیصلہ تھا جو حق کا بے کم و کاست
آج کیفیؔ سنا دیا تو نے

●

گوہر جعفری

مزاجِ دانِ خودی

مزاج دانِ خودی تھا ترا مذاقِ نظر
کہ جس نے ہم کو دیا ہے شعورِ آزادی
حقیقتِ بشریت سے ہمکنار کیا
کہ آدمی کے لیے ہے یہ بات بُنیادی

ترے تخیلِ پاکیزہ نے ہمیں بخشی
حقیقتِ ابدی لذتِ خود آگاہی
عظیم کتنا ترا نکتۂ نگاہ یہ ہے
کہ فقر ہے تری دانست میں شہنشاہی

تجھے نہ بھائی مسلماں کی خوئے محکومی
کہ دُور ہو نہ سکی اس کی عافیت کوشی
انا سے عاری جو ہو زندگی حقیقت میں
وہ زندگی نہیں بلکہ ہے نیم بے ہوشی

ترا کلام ہے اہلِ نظر کو بانگِ درا
کہ اس میں جہدِ مسلسل کا راز پنہاں ہے
کریں ملاحظہ گم گشتگانِ راہِ حیات
کہ آفتاب کی مانند جو درخشاں ہے

تو آشنا تھا رہِ رسم و مغربی سے مگر
ہوا نہ محو ترے ذہن سے طریقِ حجاز
کہ بامِ عرش سے اونچی اڑان ہے جس کی
ملا ہے ترے تخیل کو وہ پرِ پرواز

حکیمِ امتِ مرحوم ہے لقب ترا
تو اپنی ذات میں اک گوہرِ یگانہ ہے
تو ہم میں گو نہیں موجود حشر تک کے لئے
ہمیں نہیں ہیں ترا قدر داں زمانہ ہے

لطیف انور

اقبال

اے سراپا پیکرِ سوز و گدازِ زندگی
ہر نفس میں کی ادا تو نے نمازِ زندگی

زندگی تھی موت کے سائے میں لرزیدہ جہاں
اک چراغِ مردہ تھے گویا دلِ دیدہ یہاں

ہر طرف تاریکیِ اوہام کا مذکور تھا
زندگی کا حسن آنکھوں سے یہاں مستور تھا

آدمی مایوس تھا نیرنگیِ ایام سے
آرزوئے زیست پیچھے آغاز سے انجام سے

موت کی امید تھی یا زندگی کی آس تھی
دل نہ تھا پہلو میں شاید میّتِ احساس تھی

رک گیا تھا وقت کے ہونٹوں پہ پیغامِ حیات
تیرے دم سے آ گیا گردش میں پھر جامِ حیات

یک بیک گونجی یہاں تیری نوائے سینہ تاب
از سرِ نو عشق کو ہاتھ آ گیا عہدِ شباب

تیری آوازِ درا تھی منزلِ دل کا نشاں
اک ہجومِ راہ گم کردہ تھا اب اک کارواں

تیرے نغمے سے یہاں ٹپکا ترے دل کا لہو
لہلہا اٹھی ترے دل کے لہو سے آرزو

تیرا وہ آنسو کہ تھا سوزِ جگر کا راز دار
تیری آنکھوں سے ٹپک کر بن گیا ابرِ بہار

تیرا نغمہ، نغمۂ ذوقِ خودی کا اہتمام
منکشف تھا تیری آنکھوں پر ترے دل کا مقام

تیرا دل تھا یا تب و تابِ محبت کا سرور
تیری چشمِ شوق تھی یا مذہبِ دل کی زبور

تیری بزمِ شوق میں ملتا تھا دل کو پے بہ پے
یک چمن گل، یک نیستاں نالہ، یک خم خانہ مے

تجھ سے پہلے ذہنِ آدم صرفِ قیل و قال تھا
آدمیت کے لئے تو آیۂ اقبال تھا

لیاقت صہبائی

نطقِ احساس

اے حکیمِ ایشیا اے شاعرِ شاہیں پناہ
اے کہ تیری فکر کی زد میں ہیں انجم و مہر و ماہ
اے نوائے صبحگاہی کے امیں خاور نگاہ
تھا حریمِ فکر تیرا قدسیوں کی بارگاہ

تیرا ہر نغمہ شرابِ راز کا پیمانہ تھا
تو حقیقت میں مجازِ زیست سے بیگانہ تھا
منزلِ عرفاں کا تو وہ محرمِ فرزانہ تھا
جس کا ہر نغمہ خودی کا گوہرِ یکدانہ تھا

اے کہ تھا تیرا چراغِ فکر قندیلِ حیات
اے کہ تیرے ذہن کی منزل میں سِرِّ کائنات
منکشف تھا تیری نظروں میں طلسمِ شش جہات
تیرا سوزِ شعر ہے سازِ تب و تاب و حیات

لُٹ رہی تھی جب مسلماں کی خودی کی آبرو
کاروانِ قوم تھا جس دم اجل کے رُو برو
تُو نے پژمردہ تفکّر کو دیا رنگِ نمو
تُو نے گرمایا حقیقت میں غلاموں کا لہو

تھا ترے سازِ سخن میں شاعرِ عرفاں مقال
کہکشاؤں کا تجمّل اور فرشتوں کا جلال
جھانکتا ہے تیرے نغموں سے مشیّت کا جمال
تیری فطرت حرّیت آموز، نغمے لازوال

اجتہادِ فکر تھا تیرا حدیثِ زندگی!
ملّتِ بیضا کو تُو نے لذّتِ آزار دی
تیرے نغموں سے عیاں ہیں عظمتیں اسلام کی
تُو نے ہی بخشا مسلماں کو نشاطِ آگہی

السّلام اے فلسفی اے شاعر و مردِ کلیم
کون اب ہم پر کرے گا فاش افکارِ سلیم
آج بھی ذہن و دل و روح و نظر کے ہیں ندیم
بالِ جبریل و پیامِ مشرق و ضربِ کلیم

لیثؔ قریشی

اقبال

اے سراپا سوز و ساز اے پیکرِ ذوقِ نمو
تیرے طوفاں یم بہ یم، دریا بہ دریا، جُو بہ جُو

تُو رہا روشن جہاں میں مثلِ شمعِ دردمند
روشنی بڑھتی رہی، جلتا رہا تیرا لہو

نورِ عرفاں کی طلب رکھتی تھی تجھ کو بے قرار
طفلکِ سیماب پا تھا مکتبِ ہستی میں تُو

نغمہ ہندی تھا تو کیا، لَے تو حجازی تھی تری
کر گیا سرمست اہلِ شوق کو تیرا سبُو

وہ خودی کی انتہا تھی، یا کمالِ فقر تھا
تھا دمِ آخر ترے لب پر فقط "اللہ ہُو"،

تیرے ذہن و فکر پر روشن تھے اسرارِ خودی
آئینہ تھا تجھ پہ فرقِ تقنطو۔ لاتقنطو،

تیرے سینے میں نہاں اک شعلۂ بیتاب تھا
تیری آنکھوں میں چمکتا تھا شرارِ آرزو

کارواں کے واسطے تُو اک چراغِ راہ تھا
تُو ہماری منزلِ مقصود سے آگاہ تھا

درسِ جدّ و جہد تیرا آج بھی ہے دلنشیں
تیرا ہر طرزِ سخن اپنی جگہ عہد آفریں

تیری تعلیمات سے ہر دل پہ یہ روشن ہُوا
سخت کوشی سے ہے تلخِ زندگانی انگبیں

تیرے ارشاداتِ عالی نے یہ سمجھایا ہمیں
عزمِ شاہیں ہو تو کیا ہے رفعتِ چرخِ بریں

تُو نے یہ کہہ کر مسلماں کو مسلماں کر دیا
مردِ مومن کے لئے اکسیر ہے ذوقِ یقیں

تُو نے سمجھایا کہ اک مردِ قلندر کے لئے
وجہِ عزت مسندِ اسکندر و دارا نہیں

اس حقیقت کو کیا تُو نے دلوں پر آشکار
اہلِ ایماں کے قدم لیتی ہے خود فتحِ مبیں

تیرے اس پیغام سے داغِ تن آسانی مٹا
کش مکش بھی اس قدر ہوتی ہے لذّت آفریں

حرزِ جاں کی طرح ہر دل میں ترا پیغام ہے
اے مفکّر تجھ پہ نازاں عالمِ اسلام ہے

یاد ہے ہم کو ترا یہ درس اے اہلِ نظر — آگ کو گلزار کر دیتا ہے عشقِ معتبر
تیرا ہر پیغام رہرو کے لیے "بانگِ درا" — تیرا فرمودہ مسافر کے لیے زادِ سفر
تیرے لہجے میں نہاں تھی قوّتِ ضربِ کلیم — ہر نوا بن کر رہی تیری نوائے کارگر
تیرا دل تھا محرمِ رازِ درونِ میکدہ — کر گیا تُو ہم کو اسرارِ خودی سے باخبر
تیرے پیمانے سے جب چھلکے رموزِ بےخودی — ہو گیا ہر بادہ کش خود آشنا و خود نگر
ہاں ترا جاوید نامہ زندۂ جاوید ہے — آج تک جس پر عمل پیرا ہیں ملّت کے بشر
تیرا شکوہ ہو کہ اے اقبالؔ شکوہ کا جواب — دونوں ہی اپنی جگہ رکھتے ہیں اک اپنا اثر

غازۂ آئینۂ دل بن گیا تیرا کلام
اے متاعِ نازِ ملّت تجھ کو ملّت کا سلام

ماہر القادری

اقبال

کارواں خواب میں تھا بانگِ درا سے پہلے
ساز میں سوز نہ تھا تیری نوا سے پہلے

اللہ اللہ، ترا قافلۂ نطق و کلام،
بالِ جبریل کے سایہ میں ہُوا گرمِ خرام

صرف مشرق نہیں مغرب کو بھی پیغام دیئے
نگہ و فکر پہ اسرارِ خودی فاش کیے

تو کبھی شعلۂ رقصاں کبھی، رفتارِ نسیم
موجِ کوثر ترے اشعار کہیں ضربِ کلیم

اک نئی طرز، نئے باب کا آغاز کیا
شکوہ اللہ تعالیٰ سے بصد ناز کیا

حُسن و اُلفت کے فسانوں میں ہوس شامل تھی
تُو نے تقدیس عطا کی، انھیں عصمت بخشی

چہرۂ فکر و معانی کو نکھارا تُو نے
زُلفِ دوشیزۂ اُردو کو سنوارا تُو نے

تیرے شعروں میں کہیں معرکۂ بدر و حنین
کہیں ایمانِ براہیمؑ، کہیں عزمِ حسینؑ

اس لئے ہے تری اک ایک مجھے بات قبول
ترا سرمایۂ دانش تھا فقط عشقِ رسولؐ

تو کہ لندن کی بھی راتوں میں سحر خیز رہا
غیر ماحول میں خوددار و کم آمیز رہا

ہو سکے ضبط نہ اسپین میں تجھ سے آنسو
قوم کے غم میں تری آنکھ نے رویا ہے لہو

اس قدر خوفِ خدا، سوزِ دروں، جذبۂ حق
بھیگ جاتے تھے ترے اشک سے قرآں کے ورق

محفلِ رومیؒ و عطارؒ تھی مدت سے خموش
تیرے نغموں نے بنایا اُسے ہنگامہ جوش

علم و حکمت کے مسائل کو دیا شعر کا رنگ
کس نزاکت سے ہم آہنگ کئے شیشہ و سنگ

فکرِ افسردہ کو پرواز عطا کی تُو نے
لبِ خاموش کو آواز عطا کی تُو نے

مائل دہلوی

طائرکِ بلند بال

تیرا موضوعِ سخن تھا کائنات
تُو نے عالم کو دیا درسِ حیات

تُو نے گرمایا غلاموں کا لہو
تُو نے کھولا رازِ آب و رنگ و بو

زندگانی کا کیا یوں احتساب
خواجگی عُریاں ہوئی اور بے نقاب

پاس تھی تیرے وہ قندیلِ خُودی
جس سے لرزاں تھی جہاں کی تیرگی

کانپتی تھی تجھ سے فرقہ پروری
تُو سمجھتا تھا مقامِ آدمی

تُو نے کھولا رازِ تقدیرِ امم
تجھ سے لرزاں وارثِ فغفور و جم

تیری ہر گفتار پیغامِ عمل
عُقدۂ عالم ہُوا ہے جس سے حل

تھی میسّر تجھ کو ایسی آگہی
خامشیِ گُل سے تُو نے بات کی

غمگساری تُو نے کی مظلوم کی
دستگیری تُو نے کی محکوم کی

خوف و دہشت کی اڑائیں دھجیاں
تُو نے سلجھائیں خرد کی گتھیاں

تُو نے بدلی ہے رہ و رسمِ قدیم
رجعت و پستی کو ٹھہرا کر غنیم

پیشواؤں کا تھا گو مسلک گریز
برخلاف اُس کے کہا تُو نے ستیز

تھے ہراساں تجھ سے پیرانِ حرم
تیرے ناوک کے ہدف دیر و صنم

تُو نے سجدہ گاہِ نو تعمیر کی
یعنی اک تاریخِ نو تحریر کی

پہنچا نطشے کا نہ جب فہمِ رسا
تُو نے بتلایا مقامِ کبریا

اے عدوئے سامری و آذری
شاخِ ملّت کی ہوئی تجھ سے ہری

یہ کرشمہ ہے تری تدبیر کا
کام مٹی سے لیا اکسیر کا

ہو تو ایسی وسعتِ قلب و نظر
تھی نگہ ہر روشن و تاریک پر

تُو نے کھولا ہم پہ بابِ جستجو
اے شہیدِ سوز و سازِ آرزو

زندگی کو دے کے پیغامِ جنوں
موت کو تُو نے کیا ہے سرنگوں

مجید امجد

شاعرِ وطن

فروغِ مطلعِ امید ہے تو — جہاں میں زندۂ جاوید ہے تو
جو سچ پوچھے تو تاریخِ امم میں — نئے اک دور کی تمہید ہے تو

تھی برق آواز تیری روح کی نے — تھی فکر افروز تیرے شعر کی مے
جہاں تو کیا نوا پردازِ اسرار — حریمِ ذات میں گونجی تری لے

ترا ہر شعر سازِ قدس کا راگ — ترا الہام احساسات کی آگ
تری آواز، مشرق نیند کو تیاگ — ترا پیغام، روحِ ایشیا جاگ!

تو سرِّ دوسرا سے آشنا تھا — خودی کے ارتقا سے آشنا تھا
مقامِ کبریا کو جاننے والا — مقامِ کبریا سے آشنا تھا

سرودِ زندگی گائے گا پھر کون — دلِ کونین گرمائے گا پھر کون؟
ترے بعد اے حکیمِ فقر مسلک — خودی کا راز سمجھائے گا پھر کون

چمن میں مثلِ شبنم رہ گیا تو
گلوں کے داغِ سیما دھو گیا تو
جگا کر خوابِ محکومی سے ہم کو
خود آغوشِ عدم میں سو گیا تو

قفس میں رہ کے اے مرغِ چمن زاد
ہلا دی تو نے طرحِ جورِ صیاد
سنایا تو نے آزادی کا نغمہ
غلاموں کے وطن کے رندِ آزاد

جہاں میں دور ابھی آئیں گے لاکھوں
فلک کے طور ابھی آئیں گے لاکھوں
نہ آئے گا کوئی تجھ سا سخنور
سخنور اور بھی آئیں گے لاکھوں

●

ڈاکٹر نل، مجید ملک

تحسینِ خراج

اے نوا سنجِ ازل، اے شاعرِ والا تبار
تیری خوش گوئی ہے رشکِ بلبل و دراج و سار
تیرے نغمے رقص کرتے ہیں فضائے دہر میں
تیری موسیقی پہ لہراتے ہیں نخل و برگ و بار
اس قدر گرمی، یہاں تک درد، اتنا سوز و ساز
اک جہاں تیری بدولت ہے خسِ آتش سوار
تیرا ہر اک لفظ ہے تفسیرِ رازِ زندگی
معنی و مفہوم میں جوں بحرِ نا پیدا کنار
خانۂ مزدور میں افلاس و نکبت کا اندھیر
عیش و عشرت سے منوّر محفلِ سرمایہ دار
سلطنت والوں کا استبداد و جورِ بے حساب
اور محکوموں کی غفلت باوجود حالِ زار
رندِ مے آشام کا وہ آخرِ شب انفعال
نخوت و کبر و غرورِ زاہدِ پرہیز گار
وہ سرِ بازار حُسن و عشق کی رسوائیاں
جن کے نظّارے سے جلتے ہیں دلِ عفّت شعار
الغرض جو کچھ بھی ہوتا ہے تہِ سقفِ کہن
تو نے چند الفاظ میں سب پر کیا ہے آشکار

محسن احسان

نذرِ اقبال!

پھر آ گئے ترے در پر، دریدہ پیراہن
پرانے زخم چھپائے ہوئے جبینوں میں
سلگ رہی ہے فراقِ حبیب کی صورت
وصالِ صبحِ تمنّا کی آگ سینوں میں
نظر نظر میں مچلتی ہے درد و یاس کی لہر
نفس نفس کی حرارت ہے آبگینوں میں

اگرچہ گوش برآواز تھے ہم اہلِ جنوں
مگر پیامِ عمل سن کے بھی خموش رہے
اگرچہ دل میں مچلتی تھی زندگی کی اُمنگ
مگر سبوکدوں میں محوِ نائے نوش رہے
اگرچہ سامنے فردا کی روشنی تھی، مگر
ہم ایسے کھوئے کہ مصروفِ جشنِ دوش رہے

ہم آج بیچ رہے ہیں متاعِ ذوقِ خودی!
یہ جنس دیکھ اُٹھا کر ہیں مطمئن کتنے
ترا پیامِ عمل ہو کہ تیرا درسِ جنوں
حریمِ حسن میں گا کر ہیں مطمئن کتنے
ترے مزار پہ جھوٹی عقیدتوں کو لیے
دعا کے پھول چڑھا کر ہیں مطمئن کتنے

محشرؔ بدایونی

بیادِ اقبال

اپریل ۱۹۳۹ء میں بدایوں (یوپی) میں یومِ اقبال منعقد ہوا تھا۔ میں اُس وقت دسویں جماعت کا طالب علم تھا اور میری شاعری کا آغاز تھا۔ اس موقع کے لیے میں نے بھی نظم کہی تھی۔ ایک بڑے اجتماع میں اپنی نظم سنانے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔ (محشرؔ)

دن گیا رات گئی ماہ گیا سال گیا
دل سے لیکن نہ ہمارے غمِ اقبال گیا

قوم کی شان گئی جان گئی مال گیا
قوم وہ کیا ہے کہ جس قوم کا اقبال گیا

کچھ نہ دنیا میں رہے گا نہ رہا ہے باقی!
ذکرِ اقبال مگر بعد فنا ہے باقی

خدمتِ دیں کے لیے اس کا وہ جوش اور خروش
اِس زمانے میں نہ تھا کوئی بھی جس کا ہمدوش

قوم کی فکر میں رہتا تھا وہ کھوئے ہوئے ہوش
تھا وہ اک مردِ حق آگاہ حق آئیں حق کوش

تھے رسولؐ اُس کے خدا اس کا تھا قرآں اُس کا
زندگی اُس کی تھی دیں اس کا تھا ایماں اُس کا

بالِ جبریل پڑھو اُس کا ترانہ دیکھو
اُس کا اندازِ سخن فلسفیانہ دیکھو

مثنوی میں جو لکھا ہے وہ فسانہ دیکھو　　　رنگ وہ دیکھ کے پھر رنگ زمانہ دیکھو

ہم قدم اُس کے ہو امداد تو یہ ہے اُس کی
راہ پر اُس کی چلو یاد تو یہ ہے اُس کی

مجھ کو ہوتا نہ طوالت کا اگر اندیشہ　　　یہ ارادہ تھا کہ محشر میں بہت کچھ لکھتا
یوں ہوں مجبور کہ اب وقت نہیں ہے اتنا　　　ہیں ابھی پڑھنے کو نامی وگرامی شعرا

اُس پہ رحمت رہے وہ خلد بریں میں ہے شاد
ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

●

محمد اکرم باجوہ

اقبال

تُو سراپا عشق کی تصویر تھا
گونجتا اِک نعرۂ تکبیر تھا
دینِ حق سے تجھ کو اُلفت تھی بہت
ایک مومن کی صحیح تصویر تھا
عزم تیرا آہنی دیوار تھا
تُو عدو کے واسطے شمشیر تھا
لامحالہ سینۂ اغیار پر
قول تیرا سنسناتا تیر تھا
تیری ہر اک سوچ، تیرا ہر خیال
ایک منزل کے لئے تدبیر تھا
تُو مفکّر، تُو مدبّر، تُو حکیم
بِن ترے یہ کارواں بے میر تھا
تُو مسیحا ایک مُردہ قوم کا
تُو ہی بھٹکی قوم کی تقدیر تھا
کتنی صدیوں سے نصیب اس قوم کا
نالہ کش تھا، شاکیٔ تقدیر تھا
تُو نے بخشا آ کے احساسِ خودی
تُو کتابِ عشق کی تفسیر تھا
اور پاکستان کا قصرِ حسیں
تیرے شیریں خواب کی تعبیر تھا

●

محمد نسیم قریشی

نذرِ اقبال

تُو نے جس طور سے اندازِ سخن بدلا ہے
وہ کسی اور کو اب تک نہ میسّر نہ آیا

تیرے اشعار ہیں یا وقت کے آئینے ہیں
تیری سوچوں ہیں نیا دور اُتر کر آیا

تُو نے قطرے میں سمندر کی جھلک دکھلائی
تیرے افکار میں وسعت بھی ہے گہرائی بھی

تُو نے وہ لفظ پروئے ہیں لباسِ فن میں
جن سے کچھ اور بڑھی شعر کی رعنائی بھی

ہم کہ آزاد ہیں آزاد وطن ہے اپنا
تُو نے دیکھا تھا جو اک خواب وہ سچّا نکلا

دفن کتنے ہی خزینے تھے تری سوچوں میں
تُو نے چاہا تو ترے ذہن سے کیا کیا نکلا

حُسنِ تخیّل پہ کچھ اتنی تجھے قدرت تھی
معتقد جس کے ہوئے اپنے بھی بیگانے بھی

فکر و دانش کے وہ گُل ہائے رنگا رنگ کھلے
جن کی خوشبو سے مہکنے لگے ویرانے بھی

تُو نے قوموں کو نیا درس دیا جینے کا!
تیرے افکار سے روشن ہیں در و بامِ سخن

تُو نے جس عہد کی تجدید کا آغاز کیا
سُرخرو اُس سے ہوا اور بھی کچھ نامِ سخن

محمد علی نیّر

شاعرِ اعظم

قیامت ہے ہوا پنہاں کفن میں شاعرِ مشرق
رہے گا یاد صدیوں تک جہاں میں شاعرِ مشرق
سُنا جب ہو گیا دُنیا سے رُخصت شاعرِ اعظم
مری دُنیائے دل کا اور ہی کچھ ہو گیا عالم
جگایا تھا نوائے آتشیں سے کاروانوں کو
کیا تھا گامزن راہِ عمل پر نوجوانوں کو
اُخوت اور مِلّت کا نرالا پاسباں وہ تھا
رموزِ حُرّیت کا بے بدل اِک رازداں وہ تھا
پیامِ حُرّیت اُس نے دیا ہندی غلاموں کو
کہا زندہ کرو اپنے اسلاف کے کارناموں کو
ہمارے دل میں اُس نے شعلۂ غیرت کو بھڑکایا
سُنا کر عہدِ ماضی کا ترانہ سب کو تڑپایا
نہ بھولیں گے کبھی ہم اُس کے زرّیں کارناموں کو
دیا درسِ خودی اُس نے جہاں کے رہنے والوں کو
الٰہی پھر کوئی اقبال سا آتش نوا نکلے
وطن کی خاک سے پھر کوئی ایسا رہنما نکلے
مٹے علم و عمل کا دور ہوگا تا ابد باقی
حیاتِ دائمی کی شکل میں اقبال ہے باقی

محی الدین خلوت

طائرِ سدرہ

کیا مشرق کو آگاہِ رموزِ زندگی تُو نے
بتائے خود فراموشوں کو اسرارِ خودی تُو نے
اُنھیں جو عمر بھر خار و خسِ گلشن پہ قانع تھے
مقامِ طائرِ سدرہ سے بخشی آگہی تُو نے

ہوا ہر گوشہ اس کا رشکِ نورِ وادیٔ ایمن
حریمِ دل میں روشن کی جو شمعِ آرزو تُو نے
شرر کردار نغموں سے کیا جوشِ یقیں پیدا
بنایا عافیت کوشوں کو گرمِ جستجو تُو نے

عزائم کی بلندی سیرت و کردار کی رفعت
سبق ہم کو دیا لاریب ان اقدار کا تُو نے
اُبھار اصفحۂ گیتی پہ نقشِ عظمتِ انساں
صفِ آقا میں بندوں کو کیا لا کر کھڑا تُو نے

مخدوم محی الدین

اقبال

اس اندھیرے میں یہ کون آتش نوا گانے لگا
جانبِ مشرق اُجالا سا نظر آنے لگا
موت کی پرچھائیاں چھٹنے لگیں، چھٹنے لگیں
ظلمتوں کی چادریں ہٹنے لگیں، ہٹنے لگیں
اک شرارہ اُڑتے اُڑتے آسمانوں تک گیا
آسماں کے نورِ پیکر نوجوانوں تک گیا
عالَمِ بالا پہ باہم مشورے ہونے لگے
آسمانوں پر زمیں کے تذکرے ہونے لگے
پھر اندھیرے میں وہی آتش نوا پایا گیا
زندگی کے موڑ پر گاتا ہُوا پایا گیا
وہ نقیبِ زندگی شام و سحر گاتا گیا
کُو بہ کُو بہ، کوچہ بہ کوچہ در بہ در گاتا گیا
گیت سُننے کے لئے خلقِ خدا آنے لگی
گردنوں کو جُنبش دے کر یہ فرمانے لگی
نغمۂ جبریل ہے انسان کا گانا نہیں
صُورِ اسرافیل ہے دُنیا نے پہچانا نہیں
عرش کی قندیل ہے اک آسمانی راگ ہے
راگ کیا ہے سر سے پا تک عشق کی اک آگ ہے

مشکور حسین یاد

نذرِ اقبال

جلا کے مشعلِ عرفان و آگہی تُو نے
جنوں کی اک نئی منزل تلاش کی تُو نے
تمام عمر ترے گیت گائے جائیں گے
ادب کو بخش دیا کیفِ سرمدی تُو نے
متاعِ دل ترے وجدان و ذوق پر قرباں
جہانِ شعر میں کی ہے پیمبری تُو نے
چُھپا کے دل کی خلش میں قرارِ دو عالم
بنایا درد کو درمانِ زندگی تُو نے
صد آفتاب تری فکر سے طلوُع ہوئے
فضائے دھر میں پھیلائی روشنی تُو نے

مظفر حسین شمیم

علّامہ اقبال

موت کی تاریکیوں میں رو رہی تھی زندگی
خلوتِ خاموش شب میں سو رہی تھی زندگی
انتظارِ نغمہ زن میں زندگی کا ساز تھا
بربطِ خاموشِ ہستی گوش بر آواز تھا
یک بیک اک طائرِ آتش نوا پیدا ہوا
آسماں کی سرزمیں پر حشر سا برپا ہُوا
جانبِ پستی اُڑا وہ خوش نوا گاتا ہُوا
آتشیں نغموں سے اپنے راگ برساتا ہُوا
زہرۂ ناہید کی محفل کو گرماتا ہُوا
خونِ تازہ زندگی کی رگ میں دوڑاتا ہُوا
صبح کی قندیل روشن کی سوادِ شام میں
جان سی پھر ڈال دی خاکسترِ ایام میں
نغمۂ اقبال تھا یا صُورِ اسرافیل تھا
دم بخود، ہیبت زدہ سہما ہوا جبریل تھا
مرتبہ اقبال کا دُنیا نے پہچانا نہیں
یہ مجاہد کون تھا خلقت نے یہ جانا نہیں
آہ محفل میں نہیں وہ ساقیِ محشر بدوش
جس کے ہنگاموں سے برپا تھا قیامت کا خروش

جس کے آوازے سے لذّت گیر اب تک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے

مظفر وارثی

اقبال

میرے شعور میرے قلم کا سلام لے
اے شاعرِ عظیم! خراجِ کلام لے
طغرہ نہ کوئی میں نے خریدا لکھا ہُوا
ہے لوحِ جاں پہ تیرا قصیدہ لکھا ہُوا
راہِ ادب میں جب تری پرچھائیاں ملیں
رفعت نظر کو ذہن کو گہرائیاں ملیں
ہر دل پہ نقش ہے تری فکرِ جمیل کا
تُو نے قلم بنایا پرِ جبرائیل کا
خم سرِ امامِ وقت کا سر تیرے نام پر
روشن ترے چراغ ہواؤں کے بام پر
تھا غزنوی کا تُو متلاشی ایاز میں
دیکھا حقیقتوں کو لباسِ مجاز میں!
ٹکرائیں وحشتیں تری کوہِ حیات سے
آئینۂ خودی نہ گرا تیرے ہاتھ سے
اپنے جگر کا خُوں رگِ دوراں میں بھر گیا
دریا کی تہہ میں مشعلیں لے کر اُتر گیا
مالک سمندروں کا سرابوں نے کر دیا
بیدار قوم کو ترے خوابوں نے کر دیا
شاعر بھی تھا، نقیب بھی تھا، فلسفی بھی تھا
تُو رِند تھا مگر ترے اندر ولی بھی تھا

منظور احمد منظور

آہ اقبال

فلک کے دل میں چبھے ہیں نشتر زمیں کی چھاتی دھڑک رہی ہے
ہے رعدِ ماتم کا شور برپا الم کی بجلی کڑک رہی ہے

ہوا میں ہے دل کی شورشوں سے فغانِ محزوں کی گونج پیدا
فضا میں قسمت کی تیرہ سامانی آج ظلمت چھڑک رہی ہے

مجھے مری ناصبوریٔ دل دکھا رہی ہے عجیب منظر!
کہ اشک لرزاں ہیں میری پلکوں پہ دل میں آتش بھڑک رہی ہے

الٰہی اس دل کی بے کلی کا کوئی سبب تو ضرور ہو گا
کہ آج بیٹھے بٹھائے رہ رہ کے آنکھ میری پھڑک رہی ہے

خیال میرا درست نکلا اُٹھا وہ طوفانِ یاس دیکھو
وہ مہرِ اقبال چھپ گیا ہے افق میں مسجد[1] کے پاس دیکھو

[1] شاہی مسجد لاہور

منظور اعجاز

صاحبِ بانگِ درا

منتظر تھی شبِ تاریکِ وطن مدّت سے
ظلمتِ یاس مٹے نور کا ساماں ہو جائے
حیرت انگیز ترا معجزۂ فکر و نظر
مورِ بے مایہ بھی ہمدوشِ ثریّا ہو جائے
تُونے ہی رنگ دیا ہے چمن مُردہ کو
تاکہ پامال چمن رشکِ بہاراں ہو جائے
تُونے سہمے ہوئے ماحول میں بجلی بھر دی
تاکہ ہر فرد یہاں صاحبِ ایماں ہو جائے

تیرا اسلوبِ بیاں دلکش و رنگین و لطیف
یہ تلاطم یہ ترنم یہ لطافت کمال
یہ تخیّل کی بُلندی یہ تری فکرِ عمیق،
ملٹن و ہومر و شیلے میں کہاں تیری مثال
سعدی و رومی و حافظ کو زمانہ بھولا
پیکرِ شعر میں دکھلاتے ہیں تُونے وہ کمال
صاحبِ بانگِ درا زندۂ جاوید ہے تُو
راہ داں، راہ نما زندۂ جاوید ہے تُو

منظور حسین منظور

نذرِ عقیدت

تیرا خیال اَوجِ ثریّا سے ہمکنار
اور فکر تیرا حُسنِ حقیقت کا راز دار

اے ایشیا کے شاعرِ اعظم ترے نثار
لاریب تو ہے مُلکِ معانی کا تاجدار

سوزِ سخن جو اِن کی رگِ جاں میں بھر دیا
ذرّوں کو تُو نے غیرتِ خورشید کر دیا

دِکھلا کے راہوارِ مکافاتِ زندگی
کھولے ہیں تو نے رازِ مکافاتِ زندگی

درسِ خودی میں تیرے کراماتِ زندگی
بدلی ہے جس نے صورتِ حالاتِ زندگی

تیری نوا کے سوز میں وہ شاہکار ہے
جو انقلابِ فکر کا پروردگار ہے

حُسنِ بیاں ترا وہ حقیقت طراز ہے
جس پر جہانِ عشق و محبت کو ناز ہے

دل میں ترے وہ جذبۂ سوز و گداز ہے
ہر کاوشِ نمو سے جو بے نیاز ہے

حاصل جسے بھی سوزِ جگر کا شرار ہے
پروانہ دار تیرے سخن پر نثار ہے

مونس صدیقی

بہ یادِ اقبال

محمد نذیر مونس صدیقی صاحب نے جنہیں علامہ اقبالؒ کے جنازے کو کندھا دینے کا شرف حاصل ہے یہ تاثرات علامہ مرحوم کی وفات کے فوراً بعد قلمبند کئے تھے۔ چالیس سال بعد دستیاب ہونے پر روزنامہ "مشرق" لاہور میں ۲۱ اپریل ۱۹۷۸ء کو پہلی بار شائع ہوئے۔

شاہنشہِ ملکِ سخن ۔۔۔ اے رونقِ صد انجمن
اے واقفِ سرِ کہن ۔۔۔ اے شاہدِ شیریں دہن
دنیا میں کس پر چھوڑ کر ۔۔۔ جاتے ہو رشتہ توڑ کر
اس قوم سے منہ موڑ کر ۔۔۔ اگلوں سے ناتا جوڑ کر
اے رازدارِ زندگی ۔۔۔ اے مخزنِ تابندگی
اے گوہرِ یکتا توئی ۔۔۔ اے مردِ بے ہمتا توئی
اے ذوالفقارِ لا توئی ۔۔۔ شمشیرِ الا اللہ توئی
تیری تبسم ریزیاں! ۔۔۔ دل کی جنوں انگیزیاں
دن رات عنبر بیزیاں ۔۔۔ دردِ جگر کی تیزیاں
تیری صدا جادو بھری ۔۔۔ ظاہر ہے سحرِ سامری
شیشے میں اتری ہے پری ۔۔۔ روحانیت سے ہے بھری
اک نامور جاتا رہا ۔۔۔ اک تاجور جاتا رہا
پیغامبر جاتا رہا ۔۔۔ اُف راہبر جاتا رہا
وہ ضیغمِ اسلام تھا ۔۔۔ وہ تیغِ خوں آشام تھا
رنگیں ادا ملتا نہیں ۔۔۔ وہ باوفا ملتا نہیں
کہہ دوں کہ کیا ملتا نہیں ۔۔۔ مجھ کو خدا ملتا نہیں
اقبال اب روپوش ہے ۔۔۔ گل پوش ہے خاموش ہے

مہر اکبر آبادی

دانائے راز

باغِ جہاں میں ہُوا کون یہ گرمِ سخن — جس نے بدل دی تمام شکل و فضائے چمن
غنچہ و گُل کی ہنسی اپنے جلو میں لئے — جس سے بہار آفریں گلشن و کوہ و دمن
شعر و ادب کو عطا کر گیا اک آب و تاب — اخترِ برجِ سخن شمعِ سرِ انجمن
شعر کے موضوع تھے بُلبل و گُل زلف و رُخ — تھا یہی سرمایۂ اہلِ ادب، اہلِ فن
فکر و نظر میں کیا اُس نے بڑا انقلاب — جادۂ نَو پر چلا چھوڑ کے راہِ کہن
پیکرِ الفاظ میں رُوح، مفاہیم نَو — رمز و کنایات میں لطف و بہارِ سخن
اُس کے ہر اک شعر میں سُرخیِ خونِ جگر — جیسے کھِلا ہو کوئی لالۂ خونیں کفن
صاحبِ فکر و عمل، سالکِ راہِ جنوں — باعثِ صد افتخار، قوم کو اس کا چلن
عارفِ رازِ حیات واقفِ سرِ ممات — مردِ قلندر صفات نبض شناسِ زمن
اہلِ نظر اہلِ دل صاحبِ سوز و گداز — جس نے کئے راز فاش زیست کے بے ریب و ظن
اُس نے بتایا ہمیں عظمتِ انساں ہے کیا — اُس نے عطا کی ہمیں جرأتِ فکر و سخن
ہو گئی بیدار قوم اُس کی نوا کے طفیل — کشتۂ حرماں ہوئے طالبِ دار و رسن

یاس کی تاریکیاں چیر کے بڑھتا رہا
کہتا رہا ہر زماں "تیز ترک گامزن"

نازسیٹھی

اقبال

نورِ وحدت سے تیرا دل ہے منوّر اقبال
دردِ ملّت ہے ترے سینے کے اندر اقبال
تیرے نغموں سے پگھل جاتے ہیں کہسار کے دل
تو ہی اقلیمِ سخن کا ہے سکندر اقبال

گلشنِ دہر میں یوں علم کی ارزانی ہے
تو نے افکار کے پھولوں کو مہک بخشی ہے
تیرے پیغام کے نغموں نے چمن میں اقبال
رنگ و بو پھول کو، بلبل کو چہک بخشی ہے

تیرے اشعار سے اُلفت کا سبق ملتا ہے
تیرے افکار سے ہمّت کا سبق ملتا ہے
ہم کو آزادی و حُریّت و خود داری کا
عزم و تنظیم کا، جرأت کا سبق ملتا ہے

قوم خوابیدہ تھی غفلت کی گراں خوابی میں
ملّتِ خفتہ کا اقبال جگایا تو نے
کشتیاں قوم کی گرداب میں تھیں اے اقبال
اُن سفینوں کو کنارے پہ لگایا تو نے

شمع کی طرح ضیا بار ہیں تیرے اشعار
مشعلِ نورِ ہدایت ہیں ترانے تیرے
گونجتے آج فضاؤں میں ہیں نغماتِ جنوں
کیا خرد مند ہیں اقبال دِوانے تیرے

نازش رضوی

شاعرِ مشرق

شہیدِ جلوۂ عرفاں تھا شاعرِ مشرق
ہمیشہ دہر میں زندہ رہے گا نام اُس کا
ازل سے وادیٔ ایمن میں وہ فروکش ہے
جوارِ رحمتِ عالم میں ہے قیام اُس کا
نگاہِ حاسدِ کم ظرف میں تھا گرچہ تہی
مگر شرابِ حقیقت سے پُر ہے جام اُس کا
ابوالکلام کا یہ قول واقعی ہے حَسن
کتابِ عشق کی تفسیر ہے کلام اُس کا

قسم ہے صاحبِ معراج کی مجھے نازشؔ
بلند اَوجِ ثریا سے ہے مقام اُس کا
فضائے قُدس ہے معمور اُس کے نغموں سے
امینِ وحی کے لب پر ہے یہ پیام اُس کا

دِلم ز نالہ فرو ماندہ آہِ من باقیست
بہارِ رفتہ و شادابیٔ چمن باقیست

ناصر زیدی

اقبال

وہ ایک مردِ قلندر وہ فلسفی شاعر
رموزِ شعر و رموزِ حیات کا ماہر
کہ شہرتِ اَبدی جس کے نام سے ظاہر
ادیب و نکتہ ور و نکتہ سنج تھا اقبال
حقیقتاً زرِ معنی کا گنج تھا اقبال

وہ جس نے قوم کو کردار کا پیام دیا
شعورِ ذات کو جس نے خودی کا نام دیا
حیاتِ نو کا سبق جس نے صبح و شام دیا
ادیب و نکتہ ور و نکتہ سنج تھا اقبال
حقیقتاً زرِ معنی کا گنج تھا اقبال

اُسی کے درسِ خودی سے سیاہ رات ڈھلی
گھٹا جو چھائی تھی ادبار کی وہ سر سے ٹلی
یہ قوم جانبِ منزل اُسی کے دم سے چلی
ادیب و نکتہ ور و نکتہ سنج تھا اقبال
حقیقتاً زرِ معنی کا گنج تھا اقبال

ناصر زیدی

اقبال

عظمتوں کا جمال تھا اقبال
دہر میں بے مثال تھا اقبال
چودھویں شب کا چاند کہلایا
ابتدا میں ھلال تھا اقبال
شعر گوئی کا تھا بھرم اُس سے
شاعرِ باکمال تھا اقبال
اُس نے ہم کو دیا خودی کا سبق
علم سے مالا مال تھا اقبال
آسمانِ ادب کا اک تارا
نرم کرنوں کا جال تھا اقبال
غیر کے سامنے تھا سینہ سپر
قوم کے حق میں ڈھال تھا اقبال
یہ وطن جس کی ہے حسیں تعبیر!
ایسا رنگیں خیال تھا اقبال!

نخشب جارچوی

نذرِ اقبال

چشمِ شاعر ہے اسی طرح سے اب بھی بے خواب — چھیڑتی ہے رگِ احساس کو غم کی مضراب
کوئی دیتا نہیں فطرت کے سوالوں کا جواب — روز اُٹھتی ہے یونہی رُوئے مشیت سے نقاب

کوئی اقبال سا اب دیکھنے والا ہی نہیں
"جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں"

آج وہ گرمیِ محفل کسی محفل میں نہیں — موجیں بیتاب ہیں جنبش لبِ ساحل میں نہیں
اب کوئی رہبرِ کامل رہِ منزل میں نہیں — شاید اس کا کوئی احساس کسی دل میں نہیں

تجھ میں آیا تھا جو دُنیا نئی دُنیا لے کر
"اب اُسے ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر"

اب وہ تحریر میں اقبال کا انداز کہاں — سرمدی سوز میں ڈوبی ہوئی آواز کہاں
کیف اشعار میں وہ نظم میں اعجاز کہاں — تار ہی ٹوٹ گئے ساز کے تو ساز کہاں

رُوح بیتاب ہے اُردو کی مچلنے کے لئے
"طُور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے"

پردۂ شعر میں تصویرِ حقیقت رکھ دی — طاقِ نسیاں پہ وہ فرسودہ حکایت رکھ دی
سامنے قوم ہی کے قوم کی قسمت رکھ دی — قالبِ شعر میں رُوحِ فن و حکمت رکھ دی

مشعلِ نُور اندھیرے میں جلائی کس نے
"بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے"

نظمِ تخلیق میں خودداریِ دُنیا کیا ہے — کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ تماشا کیا ہے
میں ہلاکِ غمِ امروز ہوں فردا کیا ہے — مجھ سے کیا پوچھتے ہو میری تمنا کیا ہے

مرگِ اقبال سے وہ رنج و محن ہے مجھ کو
"شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو"

نظر حیدرآبادی

شاعرِ مشرق

اُس کے نغموں سے بساطِ غم اُلٹتی ہی گئی — زندگی کی سرحدوں سے موت ہٹتی ہی گئی
ذہنِ انساں کی بھیانک رات چھٹتی ہی گئی — نور پھیلا دمبدم ظلمت سمٹتی ہی گئی

سوزِ بیداری مِلا پھر نالۂ شبگیر کو ،
تیغ کی جھنکار دے دی اُس نے ہر زنجیر کو

وہ قلندر جس نے تازہ کر دیا ذوقِ سفر — مہر و ماہ و مشتری ہیں جس کی گردِ رہ گزر
جو رہا ماتم کناں غرناطہ و بغداد پر — آنسوؤں سے جس کے نم ہیں قرطبہ کے بام و در

بجلیاں برسا گیا جو شعلۂ آواز سے
ہند کو چلنا سکھایا نطق کے اعجاز سے

مدتوں اُس بزم میں وہ ساحری کرتا رہا — رندِ دُرد آشام تھا ساقی گری کرتا رہا
وقت کے ہر موڑ پر پیغمبری کرتا رہا — کیسے کیسے رہبروں کی رہبری کرتا رہا

اُس کا خوابِ زندہ و بیدار پاکستان ہے
اُس کی فکرِ شوخ کا شہکار پاکستان ہے

نظر زیدی

اقبال

مے خانۂ مشرق میں تھا رندوں پہ عجب دَور
پیمانوں کی مے اور تھی ساقی کا مزاج اور

افسردہ تھے سینوں میں حمیّت کے شرارے
مُدّت سے جبینوں پہ نہ چمکے تھے ستارے

تھی عصمتِ احساس نہ کچھ عظمتِ کردار
حد یہ کہ تھی بے کیف مئے رُومیؔ و عطارؔ

ساحل سے بہت دُور تھے موجوں کے سفینے
رونق تھی نگاہوں میں نہ آباد تھے سینے

اک مردِ خود آگاہ نے اس سحر کو توڑا
ساقی کو پشیماں کیا، رِندوں کو جھنجوڑا

اسرارِ خودی فاش کیا بزم میں آ کر
پروانوں کو بیدار کیا شمع جلا کر

پھر گونج اُٹھیں جام کھنکنے کی صدائیں
لفظوں میں بدلنے لگیں دیوانوں کی آہیں

پھر ضعف نے احساسِ جوانی کو پکارا
پھر جہل نے ڈھونڈ لیے عرفاں کا سہارا

اب قوم جو منزل کی طرف گرمِ سفر ہے
اُس مردِ خود آگاہ کی آہوں کا اثر ہے

نظیر لدھیانوی

اقبال

حضرتِ اقبال وہ بحرِ علوم
جس کے شیدا چین و ہند و شام و رُوم
شمعِ عرفاں مایہ دارِ سوز و ساز
عاقبت بیں دیدہ ور دانائے راز
ہر سخن اُس کا سراپا سوز و درد
فکر اُس کا طائرِ گردوں نورد!
رازدارِ گردشِ دُنیا ہے وہ!
انجمن میں شاعرِ فردا ہے وہ!
اُس کا خم صہبائے حرّیت سے پُر
اُس کے آئینے میں عکسِ مردِ حُر
اُس کی مے میں نشّہ جامِ الست
اُس کا دل خمخانۂ طیبہ سے مست
زمزمہ پیرا سرِ اوجِ کمال
زیرِ دامن آفتابِ لازوال
مردِ مومن عاشقِ اقوامِ شرق!
اُس کے ساغر میں شرابِ جامِ شرق

نقش ہاشمی

اقبال کے حضور

حضرتِ اقبال اقلیمِ خودی کے تاجدار
دانش و حکمت شعور و آگہی کے شہریار!

شاعرِ ملت حکیم الامت اے اقبال مند
تیری پروازِ تخیل آسمانوں سے بلند!

تو کہ تھا سقراطِ دوراں اے فلاطونِ زماں
عصرِ حاضر کے ارسطو رازدارِ کن فکاں

وا کیے تیرے تجسس نے سب اسرارِ جنوں
رازدارِ دینِ فطرت محرمِ سوزِ دروں!!

کر دیا آگاہ درسِ لاتخف لاتحزنوں
منکشف تو نے کیے ہر چند اعجازِ جنوں

قوم کو تو نے دیا وہ درسِ تعمیرِ خودی
چیر سکتی ہے ہمالہ آبِ شمشیرِ خودی!

لالۂ صحرا سے بھی دیکھا ہے تجھ کو ہم کلام
تو نے دیکھا ہے تہِ دریا بھی موجوں کا خرام

چشمِ گردابِ بلا سے بھی تہِ بحرِ خموش
تو کیا کرتا تھا صد نظارۂ حیرت بدوش

آشنائے رازِ تقدیرِ اُمم تو نے کیا
واقفِ سود و زیان و بیش و کم تو نے کیا

تُو نے بتلایا ہمیں کیا ہے جہانِ ہست و بود
لیس للانسان الا ما سعیٰ کی ہے نمود

ہیچ تھے تیری نظر میں یہ ستاروں کے جہاں
ہے ازل سے مردِ مومن وارثِ کون و مکاں

قلزمِ ذخارِ ہستی میں اُتر جاتا تھا تُو
سرحدِ عرشِ بریں تک کی خبر لاتا تھا تُو

خونِ دل سے تو اٹھاتا تھا خمیرِ آرزو
اور جگر کاوی تھا اسلوبِ ضمیرِ آرزو

صاحبِ سرِّ نہاں اے شارحِ موت و حیات
تجھ پہ وا تھے عقدۂ رازِ درونِ کائنات

تو نے ہی تقلیدِ مغرب کے بتائے سیئات
اور سمجھائے اصولِ فلسفہ ہائے حیات

اشتراکیت ہو یا مغرب کا جمہوری نظام
ہے یہ دستِ کودکِ ناداں میں تیغِ بے نیام

مغربیت ہے حیا سوزی ریاکاری کا نام
دینِ احمد جان و دل سوزی و دلداری کا نام

دیدۂ بینائے فطرت یہ ترا ذوقِ بلند
تو نے شبنم میں بھی دیکھا آفتاب آئینہ بند

جذب و مستی ذوق و شوقِ عشق تھی تری نماز
تیری آہِ نیم شب سرمایۂ سوز و گداز

خاکِ پاکِ یثرب و بطحا تری آنکھوں کا نور
اور حدیثِ صاحبِ قرآں ترے دل کا سرور

اے محقق اے محدث اے مفسر اے حکیم
اے کلیمِ طورِ جاں اے وارثِ دلق و گلیم

آسماں پہ آج بھی چرچے ہیں تیرے نام کے
نقش قائل ہیں فرشتے بھی ترے الہام کے

نیساںؔ اکبرآبادی

اقبال

جی میں ہے یہی آج کہوں نظم وہ جس میں
اقبال کی توصیف ہو اور حسنِ بیاں بھی

اقبال وہ اقبال جو شاعر ہی نہ تھا صرف
تھا فلسفی و عالم و دانائے جہاں بھی

اک درد تھا اسلام کا اقبال کے دل میں
مسلم کا وہ احساس تھا مسلم کی زباں بھی

ہونٹوں پہ اگر اُس کے مچلتا تھا تبسّم!
رکھتا تھا دل و جاں میں وہ اک سوزِ نہاں بھی

اقبال سے کم ہوں گے زمانے میں زباں داں
ہیں معترفِ حسنِ بیاں اہلِ زباں بھی

اقبال کے اشعار کی تعریف کروں کیا؟
ہے فکر کی معراج بھی اور زورِ بیاں بھی

اقبال کے اشعار میں پیغامِ خودی ہے
نغمات بھی ہیں نظم میں نالے بھی فغاں بھی

کہتا تھا وہ میدانِ عمل تنگ نہیں ہے
تاروں سے کچھ آگے ہیں ابھی اور جہاں بھی

انسان کو انسان بنانے کی تمنّا!
اشعار میں اس کے ہے نہاں عزمِ جواں بھی

نیساںؔ تیری یہ نظم، جہاں کیوں نہ سراہے
اقبال کی تعریف بھی ہے لطفِ زباں بھی!

مقامِ اقبال

سحر کی بیداریاں سموئے ہوئے رگ و پے میں تیری ہستی
جلو میں آئی لیے ہوئے کائناتِ سوز و گداز و مستی

نفس نفس چھیڑتی ہوئی سازِ ارغنونِ حیات آئی
قدم قدم پھونکتی فضا میں فسونِ عزم و ثبات آئی

رقم کیے تُو نے مصحفِ زندگی پہ اس شان سے حواشی
خرد نے با وصفِ خردہ گیری رہِ کمالِ جنوں تراشی

نقیبِ احساسِ زندگی ہے ترے مقامِ خودی کا سوچ
ترے جنوں کا یہ ہے کرشمہ کہ راست ہے عقل کا خطِ کج

زمینِ شعر و سخن، فلک رُتبہ تیرے فیضِ قدوم سے ہے
ترا مقامِ بلند فیضانِ صحبتِ پیرِ رُوم سے ہے

شہیدِ ذوقِ یقیں رہا ہے ترا شعورِ انا مآبی
قتیلِ شوقِ عمل رہا ہے ترا شعارِ خود احتسابی

تری نظر وہ نظر ہے جس نے حیات کے آئینے اُجالے
تری بصیرت نے اپنے سانچے میں عصرِ نَو کے دماغ ڈھالے

واصف اکبر آبادی

یادِ اقبال

ذہنِ مُسلم کو دیا جس نے تصوّرِ "پاک" کا
قوم کو بخشا قرینہ جرأتِ بے باک کا

دے دیا جس نے مسلمانوں کو درسِ اتحاد
بھر لیا مِلّت نے آزادی سے دامانِ مُراد

جس نے مسلم کو دیا درسِ صحیح تقدیر کا
جس نے مِلّت کو دکھایا راستہ تدبیر کا

جس نے واضح کر دیا کیا ہے نظامِ عسکری
بازوئے مسلم میں آئی جس سے شانِ حیدرؓ نمی

رہنما کردار جس کا، رہنما جس کا سُخن
زیست کی تاریک راہوں میں ہدایت کی کرن

یاد کو دی عظمتِ رفتہ کی جس نے تازگی
کُوٹ کر بھر دی رگ و پے میں عمل کی زندگی

پھینک دی ہاتھوں سے زنجیرِ غلامی توڑ کر
جبر و استبداد کی رکھ دی کلائی موڑ کر

ڈوب کر اُبھرا سفینہ بحرِ طوفاں خیز میں
آ گئے شاہانہ جوہر فطرتِ پرویز میں

کاروانِ قومِ مسلم کا امیرِ کارواں
کارواں کے دل کو بخشا جس نے احساسِ زیاں

پھر پریشاں قوم کو شیرازہ بندی آ گئی
خود سے نفرت ہو چلی تھی، خود شناسی آ گئی

جب خودی کے نور سے قُربِ خُدا حاصل ہوا
دفعتہً ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل ہوا

الغرض عنوان خود اقبال ہے احوال کا
یہ تغیّر بالیقیں ممنون ہے اقبال کا

ہاں اُسی اقبال کو پھر یاد کر کے دیکھ لیں
پھر مداوائے دلِ ناشاد کر کے دیکھ لیں

وزیر آغا

اقبال

جھونکا تھا وہ ہوا کا کرن ماہتاب کی
یا اوس کی لرزتی ہوئی کائنات تھا
پلکوں کے ساتھ چپکا ہوا تھا مثالِ اشک
یا وہ شجر سے ٹوٹتا ہوا کوئی پات تھا

کس کو خبر کہ آیا تھا وہ کس جہان سے
اور کون سے جہان کی جانب چلا گیا
اتنی مگر خبر ہے کہ وہ تیرہ رات میں
سیّال بجلیوں کے بدن گُد گُدا گیا

جلتے رہے ہیں ساحلی شہروں سے ماہی گیر
اک بحرِ بے کنار و پُر اسرار کی طرف
وہ بحرِ بے خودی سے نکل کر رواں ہوا
اپنی خودی کے شہرِ پُر اسرار کی طرف

وہ شہر جس کا آخری شہری وہ آپ تھا
ایسے کھڑا تھا درد کی لہروں کے درمیاں
جیسے ہو کوئی پھولوں بھرا نخلِ سر بلند
بے آب جھیلوں، سوکھتی نہروں کے درمیاں

وزیری پانی پتی

اقبال

قدم قدم پہ جلائیں خودی کی قندیلیں
نفس نفس میں اُجاگر کیا حیات کا حُسن
ہر ایک رازِ حقیقت کو آشکار کیا
ہر ایک شے میں دکھایا تصوّرات کا حُسن

نمودِ فکر و نظر سے فضا میں رنگ بھرا
چراغِ لفظ و بیاں سے جہاں اُجال دیا
وہ تیرا خواب کہ اک اجنبی تصوّر تھا
کہ جس نے قوم کو اک عزمِ باکمال دیا

بتا کے بھولے ہوؤں کو نشانِ منزل کا
زمیں کے ذرّوں کو صد رشکِ آفتاب کیا
عجیب گرمیِ جوشِ عمل بھری تُو نے
دل و نظر میں بپا جس نے انقلاب کیا

مخالفت کے بھی طوفاں بہت اُٹھے لیکن
نہ ہو سکیں اثر انداز وقت کی آفات
کہ اہلِ دیدہ و دل کی نگاہ میں اب بھی
عظیم تر ہے ترا فن، عظیم تیری ذات

چراغِ جادۂ حق کو بجھا سکا ہے کون؟
ترے خلوص کی عظمت مٹا سکا ہے کون؟

وفا براہی

گلدستۂ عقیدت

صاف گوئی کو زندگی بخشی
اہلِ دانش کو آگہی بخشی

جو اندھیروں میں سانس لیتے تھے
ایسے لوگوں کو روشنی بخشی

حکیم قوم کہیں یا کہ قوم کا اقبال
نگاہِ وقت کو بخشی ہے روشنی اس نے

خودی کا ڈھنگ سکھایا خودی پرستوں کو
تو بے خودوں کو دیا درسِ بے خودی اس نے

ہاشمی فریدآبادی

تاریخِ وفاتِ سر محمدؐ اقبال

عیاں ہو فاش و خفی جس پہ وہ دلِ آگاہ
فضا چمک اُٹھے جس سے وہ برقِ تاب نگاہ

وہ عرش گیر تخیل کہ دیکھ اُس کا عروج!
زمیں کو رشک سے تکنے لگیں ستارہ و ماہ

طپیدہ قلب میں ہو جس کے سوزِ عالم سوز
بیانِ درد میں دُنیا کے زخمیوں کی کراہ

نفوسِ مُردہ کو دے جس کی تان یوں جنبش
صدائے کوس پہ جس طرح گامزن ہو سپاہ

ہم ایسے مطربِ ہنگامہ زا کے ہیں قائل
سُنی ہیں ورنہ بہت خوش نوائیاں سرِ راہ

ندیم دنگ نہ ہو دیکھ کر یہ رنگِ مقال
مری زباں کا ہر اک بول خونِ دل سے ہے لال

تمام دہر کا شیون ہے میرے بَین میں آج
ہے مرأتِ غمِ گیتی مری جبینِ ملال

زمیں سے اُٹھتا ہے خیر الملل کا وہ سرخیل
عطا ہوا تھا جسے فکرِ آسماں پامال

نوا میں گونج گیا جس کی نغمۂ کونین
قلم سے جس کی کھنچا نقشِ حال و استقبال

وفاتِ حضرتِ اقبال، ہاشمی ہے ہے!
جگر ہیں قوم کے ناسُورِ غم، رہے گا یہ سال

۱۳۵۷ھ

ہدایت اللہ اختر

اقبال

اے عرصۂ خودی کے جواں فکر شاہکار
تیرے تصوّرات کا عالم ہے پائیدار
تُونے خزاں کو تابِ تب و رنگ و آب دی
پوری ہوئی ہے تجھ سے ہی فرمائشِ بہار
ہر دل میں تیرے فکر و تصوّر کی روشنی
تیری مہک سے محفلِ افکار مُشکبار
تُونے کھِلا دیئے ہیں کچھ ایسے حسین پھُول
ہے آج جن پہ عظمتِ خُلدِ بریں نثار
شاداب تیرے ذکر سے ذہنوں کی خلوتیں
آباد تیرے نام سے ہر روح کا دیار
ہے آج دم گُستہ غلامی کی تیرگی
ہے ارضِ پاک تیرے تصوّر کا شاہکار
تُونے قلندری کا سلیقہ سِکھا دیا
انسان کو کِیا نئی عظمت سے ہمکنار

یحییٰ اعظمی

غمِ اقبالؔ

اٹھا ہے کون کہ اجڑی ہے محفلِ عالم
سنا رہا ہے زمانہ یہ آہ کس کا غم

سیاہ پوش ہیں کیوں آج مشرق و مغرب
بچھی ہے کس کے لئے دہر میں صفِ ماتم

عطا ہوئی تھی جو صدیوں کی آرزوؤں سے
فغاں کہ لٹ گئی وہ بے بہا متاعِ عجم

شرابِ خم کدۂ روم جس میں ڈھلتی تھی
ہزار حیف کہ وہ بزم ہو گئی برہم

اٹھا نہ کوئی بھی تجھ سا دیارِ مشرق سے
صدائے ساز و نوا ہائے راز کا محرم

ترا ضمیر تھا اسرار کا وہ آئینہ
کہ جس میں عکس فگن تھا رخِ وجود و عدم

تری نظر میں تھا بے پردہ آب و گل کا جمال
تری نگاہ پہ روشن تھی فطرتِ آدم

پیام بر تھا تو دنیا میں اوج و رفعت کا
کہ تھا تو واقفِ پروازِ قطرۂ شبنم

ہر ایک حرف میں تیرے تھا نغمۂ الہام
صدا سروش کی تھی یا تری نوائے قلم

حصولِ عظمتِ پارینہ کی تمنا میں
رہا ہمیشہ تو ہمت نوازِ خیرِ امم

تجھے سناتی تھی نغمے نسیمِ خاکِ حجاز
کہ تھا غلامِ غلامانِ سرورِ عالم

جنوں نواز تھی از بس ہوائے منزلِ دوست
اسی کے شوق سے کرتا تھا نالۂ پیہم

وہی تھی غایتِ آہ و فغانِ نیم شبی
اسی کی خاک تھی مقصودِ دیدۂ پرنم

کہاں ہے آج وہ سرشارِ دینِ پیغمبرؐ
کہ جس کے شورِ نوا پر فدا تھی خاکِ حرم

یزدانی جالندھری

خمستانِ اقبال سے جام لا

پلا ساقیا! بادۂ لالہ رنگ — دل و روح کا دُور ہو جس سے زنگ
وہ بادہ کہ پانی بھی ہے آگ بھی — وہ بادہ کہ ہے شعلۂ آگہی
وہ بادہ خرد جس سے چالاک ہو — وہ مے جس سے اندیشہ بیباک ہو
وہ مے جس میں ہو نشۂ سرمدی — وہ مے جس کی مستی میں ہو زندگی
وہ مے جس میں حافظ کا انداز ہو — وہ مے جس میں رومی کا اعجاز ہو
بنامِ خودی کوئی پیغام لا — خمستانِ اقبال سے جام لا
نگاہوں پہ رازِ خودی کھول دے — دلوں میں سُرورِ خودی گھول دے
کوئی ایسا ساغر فضا میں اُچھال — کہ ہو طبعِ افکار جس سے بحال
وہ اقبال وہ رازدانِ خودی — زبانِ خودی، ترجمانِ خودی
وہ مردِ حق آگاہ دانائے راز — وہ ملّت کا سرمایۂ فخر و ناز
دیا جس نے ملّت کو درسِ خودی — عطا کی دلِ مُردہ کو زندگی
یہ تفسیرِ فردوس یہ ارضِ پاک — یہ زیرِ فلک خطّۂ تابناک
اُسی کے تخیّل کی تنویر ہے — اُسی کے تصوّر کی تصویر ہے

مگر آہ یہ انقلابِ جہاں
مسلماں ہے اب محوِ خوابِ گراں

جگانا ہے خوابِ گراں سے انھیں — بچانا ہے راہِ زیاں سے انھیں
خموشی سے بوجھل ہوئی ہے فضا — کوئی نغمۂ سازِ بانگِ درا
کوئی آرزوؤں کی قندیل لا — نوا کاریِ بالِ جبریل لا
جہاں کو ہے درکار ضربِ کلیم — بپا جس سے ہو انقلابِ عظیم

خمستانِ اقبال سے جام لا
بنامِ خودی کوئی پیغام لا

یوسف ظفر

اقبال کے حضور میں

تری خودی کے تصوّر میں کائناتِ وجود
تری طلب کا تخیّل حیات کا غمّاز

ترے نفس کے بگولوں سے گرد بُت خانے
تری حدی سے رواں کاروانِ راہِ حجاز

پیمبرانہ نظر کی حدود میں آئے
فسانہ ہائے حقائق ترانہ ہائے مجاز

ترے جنوں سے خرد کو مِلا بہانۂ زیست
تری نگاہ سے ٹوٹا طلسم خانۂ راز

ترے بُلند عزائم خمیرِ پاکستان
ترے کلام کی لَے ہے نفیرِ پاکستان

• • •

ناصر زیدی

تصانیف :-
- ڈوبتے چاند کا منظر (مجموعۂ غزل)
- وصال (مجموعۂ کلام)

تالیف و ترتیب :-
- وہ رہبر ہمارا، وہ قائد ہمارا
- بیادِ شاعرِ مشرق
- ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۱ء کے منتخب افسانے
- دلچسپ معلومات

بچوں کیلئے تصانیف :-
- نصف درجن کتب بشمول ایک ناول

سابقہ ادارتی تعلق :-
- "فاران" (مجلہ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور)
- ماہنامہ "گل خنداں" "شمع" "بانو" "بچوں کی دنیا" "آئینہ" "اُمنگ" "پیامِ عمل" لاہور، "نئی نسلیں" "ناول سیریز" کراچی۔

موجودہ :-
- ستمبر ۱۹۷۶ء سے ماہنامہ "ادبِ لطیف" لاہور کے مدیر ہیں۔
- پندرہ روزہ "آہنگ" اور روزنامہ "امروز" لاہور میں کالم نگاری

دیگر تعلق :-
- پاکستان رائٹرز گلڈ کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر!
- پاکستان ایسوسی ایشن آف ایجوکیٹڈ رائٹرز کے ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر۔

بلند پایہ مصنّفین کی معیاری کُتب

اُردو شاعری کا مزاج	(تنقید)	ڈاکٹر وزیر آغا
اُردو ادب میں طنز و مزاح		"
شامِ دوستاں آباد	(انشائیے)	
تنقیدی دبستان	(تنقید)	ڈاکٹر سلیم اختر
افسانہ۔ حقیقت سے علامت تک	(تنقید)	"
ادب اور لاشعور	(تنقید)	"
اُردو کی کہانی	(تاریخ)	ڈاکٹر سہیل بخاری
اقبال۔ مجددِ عصر	(تنقید)	
گفتگو	(غزلیات)	قتیل شفائی
چھتنار	(نظمیں)	"
نذرِ بُتاں	(غزل، نظم)	جاں نثار اختر
سلاسل	(غزل، نظم)	"
سکوتِ شب	(غزلیات)	"
آواز کا سفر	(غزلیات، گیت)	ایوب رومانی
چادرِ صحرا	(غزلیات)	ساغر صدیقی
سوچ سمندر	(غزلیں، گیت)	تاج سعید

مکتبہ عالیہ ○ ایبک روڈ — لاہور